هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ

مرتبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مکتبہ الفرقان بریلی
میں ہر قسم کی مذہبی کتابیں ملتی ہیں

ماہنامہ الفرقان بریلی
سلسلۂ رد بدعت و اہل بدعت میں مکتبہ الفرقان کی اپنی مطبوعات
بوارق الغیب حصہ اول
اہل بدعت کے خانہ ساز عقیدہ "علم غیب کلی" اور علم جمیع ما کان و ما یکون کی تردید میں یہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ مدیر الفرقان بریلی کی معرکۃ الآرا کتاب ہے جس میں چالیس صاف صریح قرآنی آیات اور دو سو ساٹھ ۲۶۰ احادیث نبویہ و ائمہ سلف کے ارشادات سے عقیدہ علم غیب کا بطلان ثابت کیا گیا ہے صرف اس حصہ میں حدیث و تفسیر وغیرہ کتب معتبرہ دینیہ کے تین سو ساٹھ ۳۶۰ حوالے ہیں پوری کیفیت آپ صرف مطالعہ ہی سے معلوم فرما سکیں گے ضخامت ۳۸۴ صفحات ٹائٹل رنگین بیز کاغذ قسم اعلیٰ سفید گلیز قیمت عہ رعایتی عہ ایضاً قسم دوم کاغذ رف عہ رعایتی ۱۲؍
تاریخ میلاد
اس کتاب میں مروجہ مجلس میلاد کی مفصل سرگزشت لکھی گئی ہے کہ ان کو کب اور کیوں اور کس نے ایجاد کیا یہ لوگ کس مذہب کے تھے۔ ہر زمانہ کے علما نے اس کے متعلق کیا خیالات ظاہر کیے اپنے موضوع میں بے نظیر و قابل دید کتاب ہے قریب الختم ہے اور طبع ثانی کی امید بھی نہیں ہے۔ ایک سو پچاس صفحات قیمت ۱۰؍
مروجہ مجالس نبوی اور محافل میلاد پر تبصرہ
یہ ایک محققانہ مقالہ ہے جو ایک بدایونی مولوی صاحب کے میلادی مضمون کے جواب میں لکھا گیا ہے باوجود اختصار کے قابل دید اور فیصلہ کن ہے۔ قیمت ۱۰؍ رعایتی ۱؍
حضرت مجدد الف ثانی اور زمانہ حال کے اہل بدعت
اس میں اہل بدعت کے گمراہانہ عقائد کا رد صرف حضرت مجدد الف ثانی کے ارشادات سے کیا گیا ہے قیمت ۳؍ رعایتی ۲؍
تیجہ
تیجے دسویں وغیرہ رسوم مروجہ بعد الموت کے بدعت و ناجائز ہونے کے ثبوت میں الفرقان کا رسالہ جس میں فقہ حنفی کی کتب معتبرہ کے علاوہ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اقوال سے بھی ثبوت دیا گیا ہے قابل دید ہے قیمت رعایتی
خطبات کعبی
مدیر الفرقان کی آٹھ انقلاب انگیز تقریریں جن کے عنوانات یہ ہیں
(۱) ہمارا نظریۂ انقلاب اور اسوۂ نبوی
(۲) ایمان بالیوم الآخر اور توحید خالص
(۳) اقامت صلوٰۃ
(۴) زکوٰۃ روزہ حج
(۵) تہذیب اخلاق اہل اسلام کا مقصد و مقام
(۶) جہاد فی سبیل اللہ اور اس کا مقصد
(۷) اسلامی تحریک کے نتائج اور حکومت الٰہیہ کا نمونہ
(۸) دور فتن اور اسلامی تحریک کا زوال
اسلامی انقلاب کی امنگ رکھنے والوں کیلئے ان خطبات کا مطالعہ مفید بلکہ نہایت ضروری ہے۔ قیمت ۱۲؍
مشائخ چشتیہ اور سماع مزامیر
قیمت ۱؍ رعایتی
حاضر ناظر
عقیدہ حاضر ناظر کے رد میں حضرت مدیر الفرقان کا مختصر مگر قابل دید مقالہ قیمت ایک آنہ رعایتی
مسئلہ حیات النبی کی حقیقت
قیمت رعایتی
شارع حقیقی
اہل بدعت کے گمراہانہ عقیدوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریع اور شریعت مقرر کرنے میں مختار مطلق تھے جس چیز کو چاہتے اپنی طرف سے حرام کر سکتے تھے اور جس کو چاہتے حلال کر سکتے تھے جس پر چاہتے کوئی چیز فرض کر دیتے اور جس سے چاہتے کوئی فرض ساقط کر سکتے تھے اس خیال باطل کے رد میں یہ ایک محققانہ رسالہ ہے جس میں اہل بدعت کی تمام ان چیزوں کا نہایت شافی جواب دیا گیا ہے جو اس سلسلہ میں وہ پیش کرتے ہیں قیمت قسم اول ۴؍ رعایتی ۳؍ قسم دوم ۳؍ رعایتی ۲؍
اعلان النظر فی اذان المقبر
بعض مقامات پر میت کے دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینے کی بدعت رائج ہو گئی ہے اس کے رد میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کا قابل دید رسالہ جس میں علاوہ اس خاص مسئلہ کے بدعت کے متعلق نہایت محققانہ عام اصولی بحث بھی کی گئی ہے جس سے تمام مروجہ بدعات کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اور حامیان بدعت کی تمام علمی فریبیوں کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ قیمت ۳؍ رعایتی ۲؍
نماز اور خطبہ کی زبان
از مدیر الفرقان قیمت ۲؍ رعایتی ۱؍
احکام النذر لاولیاء اللہ
اس رسالہ میں قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی رو سے نذر لغیر اللہ کے شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں اور اس مسئلہ میں بعض بدعت نواز مصنفین نے اپنی کج بحثیوں سے جو پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں ان سب کو سلجھا کر مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے نیز آیت کریمہ و ما اہل بہ لغیر اللہ کی صحیح تفسیر مدلل طور پر کر کے جدید کی تمام ہوا موشگافیوں پر پانی پھیر دیا گیا ہے قیمت ۲؍ رعایتی ۱؍
تعزیہ داری وغیرہ رسوم محرم سنی نقطہ نظر سے
اس رسالہ میں تعزیہ داری وغیرہ کے متعلق متقدمین و متاخرین علماء اہل سنت کے فتاوے اور تحریرات پیش کر کے دکھلایا گیا ہے کہ ہر طبقہ کے سنی علماء نے تعزیہ داری وغیرہ مراسم محرم کو بدعت حرام ہی سمجھا ہے اور دلائل شرعی قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کا یہی حکم ہے نیز مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی بھی اس بارہ میں یہی کہتے اور اسی کے مطابق ۔۔۔ قیمت ۴؍ رعایتی ۳؍
... بریلی۔ یو۔ پی

چندہ سالانہ
تین روپے پیشگی

ممالک غیر سے

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفرقان

ماہنامہ مجلہ — بریلی

نمبر ۱ — بابتہ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ ہجری — جلد ۱۰

شکریہ

(از مدیر الفرقان)

مرحوم بھائی کی رحلت کے حادثہ پر میرے جن محترم بزرگوں اور مخلص دوستوں نے "تعزیت ناموں" کے ذریعہ مواسات وہمدردی کا اظہار اور تخفیف غم کی کوشش فرمائی ہیں ان سب حضرات کا ممنون اور تہ دل سے شکر گزار ہوں،

اگر محرومی فرصت مانع نہ ہوتی تو تمام ان بزرگوں اور دوستوں کو فرداً فرداً خطوط لکھ کر حق تشکر و امتنان ادا کرتا، اب مجبوراً ان سطور کے ذریعہ اس سے عہدہ برآ ہو رہا ہوں اور اپنی مجبوری ہی کو شفیع بنا کر ان حضرات سے معافی کا خواستگار ہوں۔

اللہ تعالیٰ میرے ان سب محسنوں و مخلصوں کو اس غمخواری وہمدردی کا اچھا اجر اور تعزیت وتسلیت کا بہتر صلہ دے

انہ لا یضیع اجر المحسنین والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ناچیز محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

نوٹ:- ایک ضروری اطلاع صفحہ ۴۰ پر ضرور ملاحظہ فرمالیجیے ۔ ناظم الفرقان بریلی

باسمہ سبحانہ — حمداً و سلاماً

نگاہ اولیں

افتتاح جلد دہم

بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖیھَا وَمُرْسٰھَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا

حق جل مجدہ کے فضل و کرم اور محض اس کی رحمت و توفیق سے الفرقان اپنے سفر کی نو منزلیں طے کر چکا اور دسویں منزل کی طرف آج اس کا یہ پہلا قدم اُٹھ رہا ہے۔

فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَلِکُلِّ شَیْءٍ اَجَلٌ مُّسَمًّی۔

جس قادر و قیوم نے اتنا راستہ طے کرایا آئندہ بھی اسی پر بھروسہ اور اسی سے دستگیری کی التجا ہے، کہ بس وہی کارساز اور رہنما ہے، اور طلب ہدایت و اعانت تنہا اسی کا حق ہے جس میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں، وہی ہمارا رحیم و کریم رب ہے، وہی "الٰہ حق" ہے اور اسی کے اور صرف اسی کے ہم بندے ہیں۔

نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، لَا نَعْبُدُ وَلَا نَسْتَعِیْنُ اِلَّآ اِیَّاہُ، لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ۔

گذرنے والے سال (۱۳۶۱ھ) کے آغاز میں بھی جنگ کا طوفانی سیلاب جزائر ملایا اور پھر برما سے گذر کر ہندوستان کی سرحدوں میں داخل ہوتا نظر آرہا تھا لیکن اُس وقت وہ وہیں رُک گیا تھا اور ابھی تک بھی وہ اس کی تباہ کاریوں اور ہلاکت آفرینیوں سے بڑی حد تک بچا ہوا ہے، لیکن اب جبکہ ۱۳۶۲ھ شروع ہو رہا ہے کچھ آثار پھر ایسے نظر آرہے ہیں کہ شاید عنقریب ہی ہندوستان بھی میدان جنگ بن جائے۔

آگ اور خون کا یہ ہنگامہ ہمارے نزدیک بلاشبہ خداوند قہار و قدوس کا ایک قسم کا عذاب اور اہل زمین بالخصوص وقت کے "فراعنہ" اور "طواغیت" کے لیے ایک طرح کا انتباہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت اور اپنے فرائض کو سمجھیں، اور ظلم و جبر، تمرد و طاغوتیت سے باز آجائیں۔ — اس عذاب کا تعلق جن قوموں اور جن لوگوں سے براہ راست ہے اور جو سال، دو سال یا تین سال سے اس کا مزا چکھ رہے ہیں کیسی اُن کی بدبختی اور قساوت ہے کہ ابھی تک انھوں نے اس سے وہ سبق نہیں لیا جو سب سے پہلے لینا چاہیے تھا اور اسی لیے اس لحاظ سے اُن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، خدائے ذوالجلال کی طرف سے وہی غفلت ہے، اور اعمال میں وہی شیطنت، سروں میں وہی غرور فرعونیت اور طرز عمل میں وہی "شہنشاہیت" کی لعنت — یہ بھی خدائے قہار و جبار کی سخت ترین لعنت و پھٹکار ہے کہ دل عبرت آموزی کی صلاحیت سے بھی محروم کر دیے گئے ہیں" بل طبع اللّٰہ علی قلوبھم فھم لا یومنون۔"

لیکن ہم جو اللہ اور اس کی قدرتوں پر ایمان رکھنے اور اس کے رسولوں کی لائی ہوئی ہدایات کو برحق جاننے کے مدعی ہیں، کیا ہمارے دل اس آتشیں اور خونیں عذاب سے کوئی سبق لے رہے ہیں اور کیا ہماری زندگیوں پر اس کا کوئی خاص اثر پڑا ہے؟ — جہاں تک اپنا مشاہدہ اور اپنی معلومات ہیں جواب یہی ہے کہ "کچھ بھی نہیں" "الحکمۃ للّٰہ"! دُنیا میں اتنے وسیع پیمانے پر آگ اور خون کا عذاب مسلط ہو، اللہ کی قہاری شان (وَیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَأْسَ بَعْضٍ) کا اس قدر پُرجلال اور لرزہ خیز طریقہ پر ظہور ہو رہا ہو اور ایک "امت" یہ سب کچھ بس ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ رہی ہو، اور اپنے لیے اس سے کوئی سبق اور اپنے عمل میں کوئی خاص اثر نہ لے رہی ہو تو کیا اس میں کوئی شبہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ امت اپنی روحانی حیات اور دل کی زندگی سے محروم ہو چکی ہے اور "تذکر و اعتبار" (نصیحت گیری و عبرت آموزی) کا وہ جوہر جو ایمان باللہ کے لوازم میں سے ہے اس سے نکل چکا ہے۔

اللہ و رسول اور قرآن پر ایمان رکھنے والو! یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس سے نصیحت و عبرت حاصل کرو اور ڈرتے رہو کہ کہیں یہ آگ ہم کو بھی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے اور اس بُرے وقت اور یوم العذاب کے آجانے اور اوپر

چھا جانے سے پہلے ہی اللہ سے اپنا معاملہ صاف اور اس کے ساتھ اپنا تعلق درست و استوار کر لو اور اس کے قہر و غضب سے اسی کی پناہ لے لو۔ — قرآن عظیم میں مغضوب اور معذب امتوں کے جو احوال و واقعات بیان کیے گئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی سخت گرفت اور اس کے "بأس شدید" سے امن و نجات کے لیے دو چیزوں کی خاص طور سے ضرورت ہے۔ ایک ہر قسم کے شرک سے تبری، اور دوسرے اللہ سے استغفار اور اس کی طرف توبہ و انابت، لہٰذا چاہیے کہ ہر قسم کے شرک اور شوائب شرک سے ہم اپنے دلوں اور اپنی زندگیوں کو پاک کریں اور اپنے گناہوں پر ہر دم اس سے استغفار کرتے رہیں نیز تمام اُن بُرے کاموں سے بچیں جو اللہ پاک کو ناراض کرنے والے اور اس کے قہر و غضب کو جوش میں لانیوالے ہیں — ہمارے دلوں کی حالت اس وقت بالکل اُس جہاز کے مسافروں کی سی ہونی چاہیے جو بھنور میں آگیا ہو اور جس کو نیچے سے بھی خطرہ ہو اور آگے پیچھے سے بھی، اور باایں ہمہ کسی دُشمن کے ہوائی جہاز بمباری کرنے کیلیے اُس کے اوپر بھی منڈلا رہے ہوں، اور ان نازک حالات میں اس کے مسافروں کو اللہ کی رحمت کے سوا کسی کا آسرا نہ رہا ہو اور پھر وہ پوری صدق دلی کے ساتھ اللہ کو راضی کرنے کیلیے فکرمند اور کوشاں ہوں،

یوں تو زندگی کی کوئی خاص میعاد ہمیں بتلائی نہیں گئی ہے اور ہم میں سے ہر ایک کی موت کا ہر وقت امکان ہے اور اس لیے دنیا کے ہر دن کو زندگی کا آخری دن اور ہر رات کو زندگی کی آخری رات سمجھ کر ہمیشہ ہی ہمیں اپنا حساب ایسا رکھنا چاہیے کہ جس گھڑی بھی ہم کو سفر آخرت کرنا پڑ جائے تو اللہ کی معصیات اور بندوں کی تقصیرات کا بوجھ ہمارے سروں پر نہ ہو یا کم سے کم ہو۔ — لیکن بالخصوص ایسے وقت میں جبکہ عذاب الٰہی کا طوفانی سیلاب ہمارے سامنے ہو اور ہر وقت یہ ممکن ہو کہ ہماری بستیوں میں بھی وہ گھس پڑے اور ہمارے گھروں پر بھی آگ کی بارش نہ معلوم کس وقت ہونے لگے تو ایسے وقت میں بھی اگر ہم نے توبہ و استغفار اور انابت الی اللہ میں کوتاہی کی تو یقیناً ہم "غافلین" اور "ظالمین" میں سے ہوں گے۔ اور ہمارا حشر بھی وہی ہوگا جو "ظالموں" اور "غافلوں" کیلیے قدرت کی طرف سے مقرر ہے؛

اے اللہ! ہم تیرے قہر و غضب سے تیری ہی پناہ چاہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ تیرے سوا کسی کی پناہ تیرے فیصلے سے ہمکو نہیں بچا سکتی۔ اللّٰھم لا ملجأ ولا منجأ منک الا الیک، اللّٰھم انا نعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک ونعوذ بک منک لا نحصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک اللّٰھم لا تقتلنا بغضبک ولا تھلکنا بعذابک وعافنا قبل ذالک

عبرت کی باتیں:۔

بریلوی ذہنیت کا تازہ شاہکار

حال ہی میں نہایت عجیب و غریب اور قریباً پانچسو صفحہ کی ضخیم ایک کتاب "بریلی شریف" ہی کے ایک پریس سے چھپکر نکلی ہے جس کا نام ہے "تجانب اہل السنۃ عن اہل الفتنۃ" ــــ اس پر بحیثیت مصنف نام تو پڑا ہوا ہے کسی نامعروف شخص محمد طیب صدیقی دانا پوری کا لیکن خارجی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ فی الحقیقت یہ تصنیفِ لطیف "ہے بریلوی مسلک" کے مشہور نقیب مولوی حشمت علی صاحب کی جو اپنی تکفیری اور تفریقی سرگرمیوں میں اپنے ہم مسلک مولوی صاحبان میں بھی خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ (اور غالباً اُن کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کتاب میں انکو "مظہر اعلیٰ حضرت" بھی لکھا گیا ہے) اور اگر کسی کے طرزِ تحریر و لب و لہجہ اور خصوصیات کلام کی معرفت کی بنیاد پر اس بارہ میں قیاس سے کام لیا جا سکے تو پھر کوئی شبہ نہیں کہ اس کی سطر سطر شاہد ہے اس امر کی کہ یہ پشتارہ انہی "والے بزرگوار" کا تیار کیا ہوا ہے۔

بہرحال اس کا مصنف خواہ کوئی ہو، کتاب ہے بڑی عجیب و غریب، بلکہ ایک مستقل عجائب خانہ اور دیدۂ عبرت رکھنے والوں کے لیے مرقعِ عبرت، اور یقیناً اس کی مستحق ہے کہ اس کو "بریلویت کی انسائیکلوپیڈیا" اور "بریلوی ذہنیت کا شاہکار" کہا جا سکے۔

عجائبات کے اس پشتارہ اور لغویات کے اس پٹارہ کو پوری طرح دیکھنے کے لیے تو ہم اپنے اوقات میں گنجائش نکال نہ سکے اس لیے صرف ایک دو نشستوں میں جستہ جستہ اور وہ بھی محض سرسری نظر ہم نے اس پر ڈالی ہے اسی سرسری ورق گردانی میں صفحہ ۹۰ و ۹۱ پر ایک "تحقیق انیق" یا "انکشاف جدید" ایسا نظر پڑا جس کو ناظرین تک نہ پہونچانا شاید ہمارا ظلم ہو۔ دیکھیے تو اسلامی ہند کی تمام مذہبی، سیاسی اور قومی جماعتوں، انجمنوں اور کمیٹیوں کی غایت و غرض کیسی عجیب اور عمیق اس کتاب میں بیان کی گئی ہے۔ کیا بریلوی محققوں کے سوا کسی اور کے دماغ کی رسائی اتنی گہری باتوں تک ہو سکتی ہے؟

لیجیے آپ بھی سُنیے اور سر دُھنیے!

سید احمد خاں کا کچھ ذکر کر کے صفحہ ۹۰ پر رقمطراز ہیں:۔

"اسی پیر نیچر کے اذناب و متبعین و مقلدین و معتقدین وہ مرتدین بیباک ہیں جو مسلمانوں کے دین و ایمان

اور اُن کے دُنیوی سر و سامان پر ڈاکے ڈالنے کے لیے ہمیشہ نئی نئی کمیٹیاں نئی نئی پارٹیاں گڑھتے رہتے ہیں اور کبھی بندگانِ زر اور بدنام کنندۂ نکونامے چند نام کے مولویوں کو اپنے کفری مقاصد کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنا آلۂ کار بنا لیتے ہیں، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس و ندوۃ العلماء و خدام کعبہ و خلافت کمیٹی و جمعیۃ العلماء ہند و خدام الحرمین و اتحاد ملت و مجلس احرار و مسلم لیگ و اتحاد کانفرنس و مسلم آزاد کانفرنس و نوجوان کانفرنس و خاکسار فوج و جمعیت تبلیغ الاسلام انبالہ و سیرت کمیٹی پٹی (ضلع لاہور) و امارت شرعیہ بہار شریف و آل پارٹیز کانفرنس وغیرہ کمیٹیاں اسی مقصد کیلیے اُنھیں کفرۂ نیاچرہ نے اپنی نیچریت و دہریت پھیلانے اور بھولے بھالے مسلمانوں کو دین سے آزاد اور دُنیوی سر و سامان سے بھی تہی دست بنانے کیلیے وقتاً فوقتاً خود اپنے ہاتھوں سے یا دوسرے بددینوں بدمذہبوں کو اپنا شریکِ کار بنا کر یا بعض جاہلوں سادہ لوح بیوقوفوں یا چند دین فروش دنیا خر ملانوں کو اپنے دامِ فریب میں پھانس کر اُنھیں اپنا آلۂ کار بنا کر گڑھی ہیں، پھر جب ان ملعونوں نے دیکھا کہ بہت سے غربائے اہل اسلام ان کمیٹیوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے وہ بیچارے دن بھر محنت و مزدوری کر کے رات کو اپنے گھر آکر بیوی بچّوں کا پیٹ بھرنے اور نماز و روزہ و میلاد شریف و گیارھویں شریف و سوم و چہلم و عرس وغیرہا اعمال اسلامیہ[1] میں نہایت خاموشی کے ساتھ مشغول ہیں اُن کو ان نیچری کانفرنسوں کی طرف مطلقاً کبھی توجہ نہیں ہوتی، اُن میں سے جو لوگ اپنے نفس کی شامت اور شیطان کی شرارت کے سبب کسی حکم شرعی کی کبھی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں تو تمرد و سرکشی نہیں کرتے اپنے خلاف شرع اعمال کو گناہ سمجھتے اور اپنے آپ کو گناہگار تصور کرتے ہیں اپنی خطاؤں پر ڈھٹائی نہیں کرتے بلکہ شرمندہ و نادم ہوتے ہیں، لیکن اعتقاد کی رو سے تو ایسے تمام لوگ عموماً اُسی ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ قدیم اور سچے مذہب اہل سنت کے معتقد ہیں اُسی کو حق مانتے اور اُس کے سوا تمام مذہبوں کو باطل جانتے ہیں اور نیچری مرتدوں کو اپنی ہنگامہ آرائیوں کیلیے ایسے ہی بھولے بھالے سنی مسلمانوں، دینِ پاک کے نام پر جی جان سے قربان ہونے والوں کی ضرورت تھی تو اُن بے ایمانوں نے ان عوام مسلمین کے پھانسنے کے لیے اصلاح قوم کے نام سے قومی عصبیت کو آڑ بنا کر کپڑا بُننے والوں کی مومن کانفرنس، جمعیۃ المومنین، جمعیۃ الانصار، روئی دُھنکنے والوں کی جمعیۃ المنصور، کپڑا سینے والوں کی جمعیۃ الادریسیہ، قصابوں کی جمعیۃ القریش، سبزی فروشوں کی جمعیۃ الراعین، پٹھانوں کی افغان کانفرنس،

---

[1] یہاں محرم کی تعزیہ داری اور علمداری کا ذکر بھی کیوں نہ کیا؟ آخر گیارھویں شریف و سوم و چہلم و عرس تک جب "اعمال اسلامیہ" میں سے ہیں تو تعزیہ داری نے کیا خطا کی ہے؟ م

میمنوں کی میمن کانفرنس مسلم کھتریوں کی مسلم کھتری کانفرنس، عباسیوں کی جمعیت آل عباس، کنبوہوں کی آل انڈیا کمبوہ کانفرنس، پنجابیوں کی آل انڈیا پنجابی کانفرنس وغیرہ کمیٹیاں خودگڑھیں یا اپنے دام افتادوں سے گڑھوائیں تاکہ غریب دیندار مسلمانوں کو قومی جکڑبندیوں میں جکڑکر قومی ترقی، قومی اصلاح وفلاح کا سبز باغ دکھا کر انکو گمراہ کیا جاسکے" صفحہ ۹۰ و ۹۱۔

آپ سمجھے! ان ساری مذہبی، سیاسی اور قومی جماعتوں اور انجمنوں کا شجرۂ نسب کس غصہ میں سرسید احمد خاں سے ملا کر ان کو جہنم رسید کیا جارہا ہے اور کس جرم کی پاداش میں ان سب کو اس طرح کوسا کاٹا جارہا ہے؟ غالباً صرف اس لیے کہ ان تحریکوں اور انجمنوں سے کچھ اور ہوا ہو یا نہ ہوا ہو یہ نتیجہ تو ان کا ضرور ہوا کہ مولوی حشمت علی خاں صاحب جیسے بزرگواروں کا کاروبار درہم برہم ہوگیا اور جو نذرانے اس گئے گزرے وقت میں بھی بیچارے کپڑا بننے یا سینے والوں یا روئی دھنکنے والوں جیسے غریب طبقے کے لوگوں سے مل جایا کرتے تھے، یا میلاد شریف، گیارھویں شریف، بارھویں شریف وغیرہ "اعمال اسلامیہ" کے حیلے سے سال کے سال اور مہینے کے مہینے جو کچھ ہاتھ آجایا کرتا تھا، یا سوم، چہلم اور عرسوں کے بہانے جو دو چار وقت اچھے گزر جایا کرتے تھے، ان قومی انجمنوں "جمعیۃ المومنین" و "جمعیۃ الانصار" "جمعیۃ القریش" اور "جمعیۃ المنصور" وغیرہ کی کوششوں نے ان رہی سہی "فتوحات" کا دروازہ بھی بند کرادیا۔

اب آپ ہی "انصاف" سے کہیے کہ اگر ان سب انجمنوں، جمعیتوں اور کمیٹیوں کو وہابی، نیچری اور کافر بنا کر گردن زدنی نہ قرار دیا جائے تو اور کیا کیا جائے؟

اس کتاب کی ایک عجیب وغریب خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں "وہابیوں" "دیوبندیوں" "ندویوں" وغیرہم کی طرح "مسلم لیگیوں" اور "احراریوں" کو بھی کافر مرتد بنایا گیا ہے — نیز مولانا حالی اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کا کفر وارتداد بھی بڑے زور شور کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔

کاغذ کی اس ہوشربا گرانی کے زمانہ میں پانچسو صفحہ کی ضخیم کتاب کیسے مقدس اور کتنے اہم و ضروری مقصد کے لیے لکھی اور شایع کی گئی ہے؟

کیا کسی اور ملت میں بھی نظر آسکتی ہیں کسی کو یہ حماقتیں اور شرارتیں؟

إن في ذلك لعبرة لأولي الأبصار

نصیحت و بصیرت کی باتیں:-

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک سبق آموز ملفوظ

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) راوی ہیں کہ

"والد ماجد (حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ) نے ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری رضؓ سے فرمایا کیا تم اس سے خوش اور اس سودے پر راضی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ہم نے جو اسلام قبول کیا اور اسلام کے سلسلہ میں جو اعمال ہم نے آپ کے ساتھ اور آپ کے زمانہ میں کیے یعنی ہجرت، جہاد و دیگر اعمال خیر ان سب کا تو ہم کو اجر و ثواب مل جائے، اور جو اعمال اچھے بُرے ہم نے آپ کے بعد کیے ان کا نہ اجر دیا جائے اور نہ مواخذہ کیا جائے؟ (یعنی بعد وفات نبوی جو کچھ ہم نے کیا اُس سب کو بس برابر سرابر پر چھوڑ دیا جائے۔) —— ابو موسیٰ رضؓ نے جواب دیا، خدا کی قسم میں تو ہرگز اس کی خواہش نہیں کروں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ہم نے جہاد کیے ہیں، نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں اور بحمد اللہ اور بہت سے اعمال خیر ہم نے کیے ہیں اور ہزار ہا ہزار انسان ہماری کوششوں سے اور ہمارے ہاتھوں پر مسلمان ہوئے ہیں اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ان سب چیزوں کا بھرپور اجر ہم کو ملیگا"

حضرت عمر رضؓ نے اُن کا یہ جواب سن کر کہا، لیکن میں قسم ہے اُس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے میری آرزو اور التجا اللہ تعالیٰ سے یہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر جو اعمال خیر ہم سے ہوئے ان کا تو ہمکو اجر و ثواب دے دیا جائے اور جو کچھ عمل ہم نے بعد میں کیے ہیں اُنھیں برابر پہ چھوڑ کے ان کے نتائجِ بد سے ہی ہمکو نجات دے دی جائے اور گرفت نہ فرمائی جائے

ابو موسیٰ اشعری رضؓ کے صاحبزادہ ابو بردہ بن ابی موسیٰ نے جب حضرت عبداللہ بن عمر سے اپنے والد ماجد (ابو موسیٰ) اور اُن کے والد ماجد (حضرت عمر بن الخطاب) کا یہ مکالمہ سُنا تو کہا

"اِنَّ اَبَاكَ وَاللّٰهِ كَانَ خَيْرًا مِّنْ اَبِيْ، (بخدا تمھارے والد کا مقام میرے والد سے بلند تر تھا) (بخاری)"

اللہ اکبر! یہ ہے ہمارے اُن بزرگوں کی خشیت اور خوفِ خدا کا حال جن کے لیے دُنیا ہی میں لسانِ نبوت سے جنت کی بشارت سنوا دی گئی تھی، اور زبانِ نبوی نے جن کے متعلق یہاں تک شہادت دی تھی کہ "عمر سے اچھے کسی آدمی پر آفتاب نے طلوع نہیں کیا"۔ (ترمذی عن جابر عن ابی بکر رضؓ)

موعظۃ المقبرہ

[۹ ہر ذی قعدہ کی شب میں برادر عزیز حاجی محمود حسین مرحوم مغفور کے دفن کے وقت موت اور آخرت کے متعلق جو مختصر تقریر راقم نے کی تھی اور "الفرقان" کے گزشتہ پرچہ میں جس کی اشاعت کا وعدہ بھی کیا تھا آج چند مفید چیزوں کے اضافہ کے ساتھ وہ ہدیہ ناظرین کرام ہے]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آل عمران ع ۱۹)

محترم حاضرین! ابھی قبر کی تیاری میں کچھ دیر ہے، ایک بھائی نے ابھی وقت مجھ سے کہا ہے کہ اس وقفہ میں میں کچھ عرض کروں اور ان کے اس کہنے ہی پر مجھے یاد آیا کہ یہ ایک طرح سنت نبوی بھی ہے چنانچہ صحیح بخاری میں تو ایک مستقل باب اس کے متعلق قائم کیا گیا ہے جس کا عنوان ہی ہے باب موعظۃ المحدث عند القبر، بہر حال اس سنت کی ادائیگی کی نیت ہی سے میں چند کلمات عرض کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مجھے اور آپ کو اُن سے فائدہ پہونچائے۔ میں نے جو آیت سورہ آل عمران کی ابھی تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"ہر جاندار کو موت کا مزہ ضرور چکھنا ہے، اور تمہارے اعمال کے نتائج پوری طرح تمکو قیامت کے دن ہی ملینگے پس جو شخص دوزخ کے عذاب سے بچ جائے اور جنت میں بھیجدیا جائے وہی کامیاب ہوگا، اور یہ دُنیوی زندگی تو بس ایک دھوکے کا سودا ہے"

اس ترجمہ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس آیت میں موت اور آخرت کا ذکر ہے۔ اس کے پہلے جزء میں بتلایا گیا ہے کہ ہر جاندار کو مرنا ہے اور ہر ذی حیات کو ایک دن ضرور موت آنی ہے اور اگر قرآن حکیم میں اس کو نہ بھی بتلایا گیا ہوتا جب بھی ہم میں سے ہر ایک کو بطور خود یہ یقین ہوتا کہ ہر زندہ کو ایک دن مرنا ضرور ہے، چنانچہ وہ انسان جو قرآن پر ایمان نہیں رکھتے ہیں خود ان کو بھی کوئی شک نہیں، اور کیونکر کوئی شک کر سکتا ہے جبکہ اس دنیا کی پوری عمر کا تجربہ یہ بتلا رہا ہے کہ ہر زندگی کا انجام موت ہی پر ہوتا ہے، بہر حال حقیقت کہ ہر زندہ کو موت کا مزہ ضرور چکھنا ہے ایک یقینی بلکہ آنکھوں دیکھی حقیقت ہے جس سے

کوئی کافر بھی انکار نہیں کر سکتا لیکن انبیاء علیہم السلام اللہ تعالے سے اطلاع پاکر موت سے آگے کے متعلق یہ بھی بتلاتے ہیں کہ موت فنائے محض نہیں ہے بلکہ درحقیقت مرنے والا ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور ایک دن ایسا بھی آنیوالا ہے کہ جس طرح روزمرہ انفرادی طور پر لوگ مرتے اور اس عالم سے اُس دوسرے عالم کی طرف کو منتقل ہوتے رہتے ہیں، اسی طرح اُس دن اس پورے عالم اور سارے جہان پر ایک دم فنا طاری کر دی جائے گی اور اس وقت جو بھی ذی حیات اس سارے سنسار اور ساری کائنات میں ہوں گے وہ سب موت کی گھاٹی سے اُتار کر اُس دوسرے عالم میں منتقل کر دیے جائیں گے۔ اس کے بعد یہ دُنیا جس میں ہم آباد ہیں قطعی طور سے درہم برہم اور فنا ہو جائے گی اور جو لوگ اس دُنیا سے منتقل ہوتے رہے ہیں اُن ہی سے ایک دوسرا عالم اللہ تعالےٰ کی قدرت سے برپا ہوگا، پھر یہاں جس نے جو بُرے یا بھلے عمل کیے ہیں اور جس طرح کی اچھی یا بُری زندگی گذاری ہے وہاں اسی کے مطابق اس کو جزا یا سزا ملے گی ——

یہی مطلب ہے آیت کے اس جز کا "انما توفون اجورکم یوم القیٰمۃ"

بہرحال ہماری یہ دُنیا دار العمل ہے اور دار الجزاء وہ دوسرا عالم ہوگا جس میں ہم کو موت کے بعد پہنچنا ہے۔ پھر وہاں ہم کو جو زندگی عطا ہوگی وہ یہاں کی سی محدود اور چند روزہ زندگی نہ ہوگی بلکہ ہمیشہ رہنے والی اور لامحدود ہوگی، اب ہمارے اختیار میں ہے کہ خواہ اس لامحدود زندگی کو بُرے اعمال کر کر کے دُکھ اور جہنم کی زندگی بنالیں، یا بُرائیوں اور گناہوں سے بچکے اور نیکیاں کر کرکے سُکھ اور جنت کی زندگی بنالیں غرض اپنے کو دوزخی یا جنتی بنانے والے خود ہم اور ہمارے اعمال ہی ہیں۔ بالکل صحیح کہا ہے کہنے والے نے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی   یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

جب یہ معلوم ہو گیا کہ بس یہی دُنیا دار العمل ہے اور آئندہ ابد الآباد تک یہاں کے کیے ہوئے اعمال کے نتائج ہی سے ہمیں واسطہ پڑنا ہے تو سوچیے کہ کس قدر خطرناک غلطی اور کیسے خسارہ میں ہیں وہ لوگ جو اس زندگی کی مہلت کو غفلت میں گنوا رہے ہیں اور یہاں سے جانے کے بعد جس دوسرے عالم میں ان کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے راحت و آرام کے لیے وہ کوئی تیاری نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اس دُنیا کی لذتوں اور یہاں کے دھندوں میں وہ اس طرح منہمک ہیں کہ گویا ان کو ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور کبھی بھی موت نہیں آنی ہے۔

اس غفلت کا پردہ اُٹھانے اور دُنیا کے متوالوں کو آخرت کی یاد دلانے کے لیے اللہ کے سارے پیغمبر آئے اور اللہ کی تمام کتابوں میں یہ درس دیا گیا لیکن انسان ایسا غافل اور ناعاقبت اندیش واقع ہوا ہے کہ اس کے باوجود وہ آخرت سے بے پروا ہو جاتا ہے اور اپنی موت کو بالکل بھلائے رہتا ہے۔ پھر اس کی غفلت کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے جیسے انسانوں کو

روز مرہ مرتے اور اس دُنیا سے سفر کرتے دیکھتا ہی لیکن پھر بھی وہ انبیاء علیہم السلام کے دیئے ہوئے اس سبق کو اور اپنی موت کو یاد نہیں کرتا۔ وہ اپنے سے زیادہ عمر والوں ہی کو نہیں بلکہ ہم سنوں، اپنے سے چھوٹوں، بلکہ اپنی گود کھلایوں تک کو دیکھتا ہے کہ وہ بیمار پڑے بیماری نے شدت اختیار کی حکیموں اور ڈاکٹروں کی ہزار کوششوں کے باوجود علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا، کوئی دوا ساز نہیں کر رہی، اب مریض کا آخری وقت قریب آگیا، نزع اور جانکنی کا آغاز ہوگیا، اور تھوڑی دیر کے بعد موت کے فرشتہ نے آکر روح کو قبض کرلیا، اب وہ ہم جیسا انسان بے جان لاشہ ہو کے رہ گیا، گھر والوں نے پلنگ سے اُتار کر ایک ٹوٹے پھوٹے تختہ پر رکھ کر جیسے چاہا نہلا دیا، کفنا دیا، اور نماز جنازہ پڑھ کے کسی سنسان اور وحشتناک جنگل میں ہزاروں ٹوٹی پھوٹی قبروں کے بیچ میں ایک اور قبر کھود کے دفنا دیا اور پچاسوں من مٹی اوپر سے ڈال کر سب اُس مرنے والے کو اکیلا چھوڑ کے اپنے اپنے گھر چلے آئے، ذرا غور تو کیجیے ہر مرنے والے کی موت ہمارے لیے کتنا عبرت اور نصیحت کا سامان اپنے اندر رکھتی ہی، لیکن غافل انسان آئے دن قدرت کا یہ تماشا دیکھتے ہیں اور کبھی نہیں سوچتے کہ ان سب منزلوں سے ہم کو بھی گزرنا ہے اور ہماری زندگی کا انجام بھی بس یہی ہونا ہی۔ درحقیقت غفلت کا یہ درجہ کہ دوسروں کی موت دیکھکر بھی اپنی موت یاد نہ آئے اور دوسروں کو دُنیا سے جاتا دیکھ کر بھی سفرِ آخرت کی تیاری کی فکر پیدا نہ ہو بالکل آخری درجہ ہی۔ موت تو سب سے بڑی مذکر ہی۔ حدیث پاک میں ہی "کفٰی بالموت واعظاً" یعنی موت ہی انسان کے لیے کافی وعظ ہی۔

ایک دوسری حدیث میں ہی کہ ازالۂ غفلت کی خاص تدبیر بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اکثروا ذکر ھاذم اللذات (یعنی لذتوں کا خاتمہ کردینے والی موت کو بکثرت یاد کرو) اس سے تمہارے دلوں کی غفلت دور ہو جائے گی۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ رات کا جب بیشتر حصّہ گزر جاتا اور تھوڑا سا حصّہ باقی رہتا تو آپ اپنے گھر والوں کو غفلت کی نیند سے اُٹھاتے اور فرماتے۔

اذکروا اللہ اذکروا اللہ جاءت الراجفہ تتبعہا الرادفہ جاء الموت بما فیہ جاء الموت بما فیہ۔

یعنی اُٹھو! اللہ کو یاد کرو اللہ کو یاد کرو، دُنیا کو تہ و بالا کر دینے والا قیامت کا زلزلہ بس آنے ہی والا ہی اس کے پیچھے جو آنا ہی (یعنی نفخۂ ثانیہ اور پھر حشر نشر) وہ بھی آ ہی رہا ہی، دیکھو موت اپنی ساری سختیوں اور مصیبتوں کے ساتھ آپہنچی دیکھو موت سر پر آگئی۔"

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی غافلوں کو ہوشیار کرنے اور غفلت سے چونکانے کے لیے موت ہی کو یاد دلاتے تھے لیکن ہماری غفلت اس درجہ کی ہی کہ موت سے بھی ہمارا نشہ نہیں اُترتا اور اپنے جیسے دوسروں کو مرتا اور زمین میں دفن

ہوتا دیکھکر بھی ہمکو اپنی موت اور قبر کی بیچارگی و تنہائی یاد نہیں آتی اور ہم نہیں سوچتے کہ جب ہمارے لیے یہ وقت آئے گا جو یقیناً آنا ہے تو ہم پر کیا گزرے گی۔

محترم بزرگو! اور عزیز بھائیو! اس وقت جبتک کہ ہم زندہ ہیں تندرست ہیں، چلتے پھرتے ہیں ہمارے لیے ممکن ہے اور ہمارے اختیار میں ہے کہ اپنی قبر میں آرام و راحت اور روشنی وانسیت کا انتظام کرلیں اور اس تنگ و تاریک کوٹھری کو اپنے لیے پر بہار اور وسیع گلزار بنالیں لیکن اگر ہم نے زندگی کی یہ مہلت یونہی غفلت میں گزار دی اور حیاۃ آخرت کیلیے جو کچھ کرنا چاہیے تھا وہ ہم نے نہ کیا، اللہ سے نڈر اور محاسبہ آخرت سے بے پرواہ ہو کر ہم اللہ کی نافرمانیاں اور اس کے بندوں کی حق تلفیاں کرتے رہے تو یقین کیجیے کہ یہ قبر آپ کے لیے صرف ایک تنگ و تاریک کوٹھری ہی نہ ہوگی بلکہ یہ ایک چھوٹا سا دوزخ ہوگا جس میں آگ ہوگی اور طرح طرح کے زہریلے کیڑے مکوڑے ہوں گے جو کروٹ کروٹ آپ کو ڈسیں گے، پھر وہاں کوئی آپ کی خبر لینے نہ آئے گا. کوئی یار مددگار نہ ہوگا، آپ پیاسے ہوں گے تو کوئی آپ کو پانی دینے والا نہ ملے گا، آپ کے داہیں بایں آگ بھڑکے گی تو کوئی اس کو بجھانے والا نہ ہوگا، آپ چیخیں چلائیں گے تو کوئی سننے والا بھی نہ ہوگا، اور پھر یہ ایک دو دن کی بات نہ ہوگی بلکہ اگر آپ کے اعمال رحمت اور معافی کے قابل نہ ہوئے تو قیامت تک قبر میں یہی عذاب مسلط رہے گا (اعاذنا اللہ من ذالک)

حدیث پاک میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

انما القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار

یعنی قبر یا تو جنت کے گلزاروں میں سے ایک گلزار ہے اور یا پھر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے

ایک اور حدیث میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر روز قبر پکارتی ہے

"انا بیت الغربة، انا بیت الوحدة، وانا بیت التراب وانا بیت الدود"

یعنی "میں بیگانگی اور ناشناسائی کا گھر ہوں، میں تنہائی کی کوٹھری ہوں، میں کیڑوں کا خزانہ ہوں"

آگے اسی حدیث میں ہے آنحضرت نے فرمایا کہ جب اللہ کا کوئی مومن صالح بندہ دفن کیا جاتا ہے تو قبر محبت اور مودت کے ساتھ اس کا استقبال کرتی ہے اور وہ قبر اس کے لیے اتنی وسیع اور کشادہ کردی جاتی ہے کہ جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے وہ کشادگی ہی کشادگی دیکھتا ہے، لیکن اگر کوئی بدکار اور خدا کا نافرمان بے ایمان دفن کیا جاتا ہے تو قبر کا معاملہ اس کے ساتھ گویا ایک بے درد دشمن کا سا ہوتا ہے وہ اس کے لیے انتہائی تنگ ہو جاتی ہے اور اس طرح بھینچتی ہے کہ اس کی ادھر کی پسلیاں ادھر ہو جاتی ہیں اور اس بدبخت زہریلے سانپ اس کے ڈسنے کے لیے مسلط کردیے جاتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک زمین میں پھنکار ماردے تو زمین ہمیشہ کے لیے بے گیاہ ہو جائے اور سبزہ اگنے کی اس میں مطلق صلاحیت نہ رہے"

اب ذرا سوچیے کہ جب ہم کو یقیناً مرنا اور قبر میں جانا ہے اور قبر میں ہمارے ساتھ جو معاملہ ہوگا اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبریں ہم کو دی ہیں ہم ان کو بھی صحیح اور قطعی صحیح سمجھتے ہیں اور قبر کے بعد اگر بخدانخواستہ ہم اپنی بداعمالیوں کے

باعث جہنم میں بھیج دیئے گئے تو پھر وہاں قبر سے بھی سخت تر عذاب ہونے پر ہم یقین رکھتے ہیں، تو پھر قبر و آخرت سے بے پرواہ ہوکر ہمارا غفلت کی زندگی گزارنا اور موت کو بھلا کر یہاں کی چند روزہ خوش عیشیوں میں مگن رہنا خود اپنے اوپر ہمارا کتنا بڑا ظلم ہے۔

بزرگو اور عزیزو! جو کچھ کرنا ہے اس زندگی میں کر لو، آج کر لو، بلکہ اسی وقت کر لو، معلوم نہیں کس وقت موت کا فرشتہ پیام اجل لے کر آ جائے اور پھر تم کچھ بھی نہ کر سکو۔ خدا کی قسم یہاں کی جو پوری زندگی ہم نے غفلت سے گزاری اور جس کے دن رات بلکہ جس کے مہینے اور برس ہم غفلت سے گزارتے چلے جا رہے ہیں وہاں اس کا ایک ایک لمحہ بڑی حسرت سے یاد آئے گا اور پھر اگر ہم چاہیں گے کہ اس غفلت کی تلافی کے لیے ہم کو ایک ہی دن یا تھوڑی ہی دیر کے واسطے پھر دنیا میں بھیج دیا جائے، یا بس ایک سجدہ ہی کی مہلت اور دے دی جائے یا بس توبہ و استغفار کے لیے ہی صرف ایک لمحہ کے واسطے ہم کو پھر سے دنیوی زندگی بخشدی جائے تو ہم کو اس کا موقع نہ دیا جائے گا، ہم غافلوں اور مجرموں کے لیے وہ وقت بڑی رسوائی اور بڑی حسرت کا ہوگا۔ قرآن پاک میں اس ذلت و حسرت کی تصویر اس طرح کھینچی گئی ہے:۔

وَلَوْ تَرٰی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝

یعنی اس دنیا کے مجرم اللہ پاک کے حضور میں اپنی مجرمانہ صورت میں سرفگندہ کھڑے ہوں گے، اور اس وقت بڑی عاجزی و زاری سے عرض کریں گے کہ خداوندا! اب ہمارے آنکھ کان کھل گئے، ہم نے سب کچھ آنکھوں سے دیکھ لیا اور کانوں سے سن لیا، اب بس یہ التجا ہے کہ ہمیں پھر سے دنیا میں بھیجدے اب ہم نیک ہی کام کریں گے اب ہم کو پورا یقین آ گیا۔

لیکن چونکہ انکی یہ درخواست غلط اور بے محل ہوگی اس لیے نہیں سنی جائے گی اور صاف کہدیا جائے گا
"فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا، اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ، وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝"
یعنی تم جس طرح دنیا کی بدمستیوں میں گم ہو کر اس دن کی آمد کو بھولے ہوئے تھے اسی طرح آج ہم نے تم کو بھلا دیا اور نظر انداز کر دیا ہے (یعنی اپنی رحمت سے محروم کر دیا ہے) لہٰذا دنیا میں تم نے جو غفلت کی زندگی گزاری اور ہمارے احکام سے بے پروائی برتی اب اس کے بدلے میں بس عذاب ہی عذاب چکھو اور اپنے کیے کو بھرو۔

اور قرآن مجید ہی میں ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا ہے:۔
حَتّٰی اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ

بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَاءَلُوْنَ ۝ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝

ان آیات کا مطلب یہ ہی کہ

جب ان مجرموں اور خدا فراموشوں پر موت طاری ہوتی ہی اور اپنی بدکرداریوں اور غفلت کیشیوں کے نتائج بدان کو آنکھوں سے نظر آنے لگتے ہیں تو یہ گڑگڑا کر کہتے ہیں خداوندا! ذرا مجھے پھر اسی دنیا میں واپس بھیج دے جس کو میں چھوڑ کر آرہا ہوں تاکہ میں اچھے عمل کروں ـــ لیکن ہرگز ایسا نہ ہوگا یہ اُس کی بکواس ہوگی جو وہ بکے گا، قیامت کے دن تک تو وہ عالم برزخ میں گرفتار رہیگا اور وہاں اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھتا رہیگا۔ پھر جب قیامت کا وقت آئے گا اور صور پھونک دیا جائیگا اور حشر و نشر سے ایک دوسرا عالم برپا کر دیا جائیگا تو اُس دن اُن کے رشتے ناتے بھی نہ رہیں گے یعنی کوئی عزیز قریب پھر پاس بھی نہ پھٹکے گا اور نہ کوئی بات پوچھے گا، اور بس فیصلہ یوں ہوگا کہ جس کے پلّہ میں ایمان اور اعمال صالحہ کا وزن ہوگا وہی نجات پاسکیں گے اور فلاح و کامرانی صرف اُن ہی کے لیے ہوگی، اور جن کے پلّوں میں یہ وزن نہ ہوگا یعنی جو ایمانِ صادق اور "اعمال صالحہ" کی دولت سے تہی دامن اس دُنیا سے گئے ہوں گے وہ وہاں سخت خسارہ میں ہوں گے، ان کے لیے بس تپتا ہوا جہنم ہوگا جس میں وہ پڑے رہیں گے، دوزخ کی آگ ان کے چہروں کو جھلستی ہوگی اور دوزخ میں ان کی صورتیں بہت بگڑی ہوئی اور ناقابل دید ہونگی"۔

الغرض اللہ تعالٰے نے اپنی کتاب میں بار بار اعلان کر دیا ہی کہ جس کو جو کچھ کرنا ہو اس دُنیا کی زندگی میں کرلے اس کے بعد کسی کو عمل کی کوئی مہلت ملنی نہیں ہی پس اے خدا کے بندو! زندگی کی اس مہلت کو جس کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں کہ کس وقت ہم سے چھین لی جائے غنیمت جانو! اور اس کی قدر و قیمت پہچانو، اگر اب تک غفلت سے دن گزارے ہیں تو اب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور آخرت کی اُس زندگی کے لیے جو حقیقی زندگی ہی تیاری میں لگ جاؤ،

میرا مطلب یہ نہیں ہی کہ آپ لوگ دُنیا اور علائق دنیا سے دست بردار ہو کے اور فقیری کا چولہ پہن کے کسی جنگل میں جا بیٹھیں اور گھر بار آل اولاد کو چھوڑ کے بس اللہ اللہ کی تسبیح پڑھیں، نہیں نہیں، شریعت کا مطالبہ یہ نہیں ہی، نہ خدا کو راضی کرنے اور اپنی آخرت کو درست کرنے کے لیے اس کی ضرورت ہی، اللہ پاک تو تم سے صرف یہ چاہتا ہی کہ اس کی بھیجی ہوئی اور اس کے رسول کی لائی ہوئی ہدایت کے مطابق زندگی گزارو، تمھارے دلوں میں ایمان ہو، اور تمھارے اعمال صالح ہوں، دُنیا سے تم پورا اشتغال رکھو مگر اللہ کے احکام کے ماتحت یعنی حلال و حرام میں فرق کرو ـــ یہ دُنیا تو مومن کے لیے بھی ہی اور کافر کے لیے بھی لیکن فرق یہ ہی کہ مومن احکام الٰہیہ کا پابند رہ کر اس میں تصرف کرتا اور اس کو برتتا ہی اور کافر اس پابندی کے بغیر اس سے نپٹتا ہی۔ تو اللہ کی رضا اور آخرت کی نجات و فلاح حاصل کرنے کے لیے اس کی ضرورت نہیں کہ آپ "تارک الدنیا" ہو جائیں بلکہ صرف اس کی ضرورت ہی کہ دُنیا میں آپ جو کچھ کریں اللہ کے قانون کے تحت

کریں اور صرف نماز روزہ ہی میں نہیں بلکہ کھانے میں، پینے میں، تجارت اور سوداگری کرنے میں، اپنے چھوٹوں بڑوں، اپنے عزیزوں دوستوں، اپنے پڑوسیوں اور عام انسانوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں، غرض زندگی کے ہر شعبہ میں آپ اللہ کے احکام اور اس کی ہدایت کا اتباع کریں، اور بس یہی حقیقت ہے اسلام کی جس پر نجات اُخروی اور رضاء الٰہی کا مدار ہے۔

میں جانتا ہوں اور مانتا ہوں کہ الحمد للہ ایک حد تک ایمان ہم میں ہے لیکن جو کمی ہے (اور یقیناً بہت زیادہ کمی ہے) تو اس کا سبب وہ غفلت ہے جو ہمارے دلوں پر چھائی ہوئی ہے جس کی وجہ سے نہ خدا کی گرفت اور اس کا محاسبہ ہمیں یاد آتا ہے اور نہ آخرت کی فکر کبھی ہمیں بے چین کرتی ہے، پس سب سے بڑا اور سب سے پہلا کام ہمارا اس غفلت کو زائل کرنا اور دلوں کو اللہ اور آخرت کی طرف متوجہ کرنا ہے اور یہ غفلت دور ہو سکتی ہے بس بار بار اپنی موت کو یاد کرنے اور موت کے بعد قبر و حشر اور پھر آخرت میں پیش آنے والے واقعات کا دھیان کرنے سے، بس میں آپ حضرات میں سے ہر ایک سے عرض کروں گا کہ اگر زیادہ نہیں تو دن رات میں کم از کم ایک وقت وہ ضرور ایسا مقرر کرلیں جس میں پوری یکسوئی کے ساتھ وہ یہ سوچا کریں کہ ایک دن ضرور ہم بھی اسی طرح مرنے والے ہیں جس طرح دوسروں کو مرتا ہوا ہم دیکھتے ہیں، پھر سوچیں کہ وہ وقت کتنا سخت ہوگا، پھر جب مجھے قبر میں اُتار دیا جائے گا تو میرا کیا حال ہوگا اس کے بعد قیامت تک کیسے گزرے گی، پھر حساب کتاب کے وقت جب میرے گناہوں کی فہرست میرے سامنے ہوگی اور میرے خلاف میرے ہاتھ پیر تک گواہی دیں گے تو میری کیسی رُسوائی ہوگی اور اگر میں قابل مغفرت نہ ٹھیرا اور جہنم میں مجھے ڈلوا دیا گیا تو وہاں میری کیا گت بنے گی۔ اس طرح یہ تصور کرکے اللہ کے خوف کو دل میں پیدا کریں اور اسی کے ساتھ اپنے روزمرہ کے اچھے بُرے اعمال کا محاسبہ بھی کریں۔ اس طرح انشاء اللہ چند روز عمل کرنے سے یہ غفلت دور ہو جائے گی اور خدا نے چاہا تو ایک وقت یہ کیفیت ہو جائے گی کہ ہر کام کے وقت دل میں یہ کھٹک پیدا ہونے لگے گی کہ یہ اللہ کو راضی کرنے والا کام ہے یا ناراض کرنے والا؟ اور اسی کیفیت کا نام تقویٰ اور خشیۃ اللہ ہے جو ساری سعادتوں کی بنیاد ہے اور یہی "ولایت" کا مقام ہے۔

پھر آپکو موت سے کوئی وحشت اور اس کے بعد آنیوالی منزلوں میں کوئی دکھ اور کوئی اذیت نہ ہوگی بلکہ آپ خوشی اور مسرت کے ساتھ موت کا استقبال کرینگے اور ہر منزل میں اللہ کے فرشتے رضاء الٰہی کی بشارت سنا کر آپکو مطمئن کریں گے اور مبارکباد دیں گے جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ

یعنی معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ سے لگاؤ رکھنے والوں کو کوئی خوف و خطر نہیں اور نہ کسی قسم کا رنج و غم ہی انکو ہوگا، یہ وہ لوگ ہیں جو باایمان اور صاحب تقویٰ ہیں، ان کے لیے بشارت ہے حیاۃ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی

بعض روایات میں آیا ہے کہ موت کا فرشتہ جب کسی مومن صادق اور عبد صالح کے پاس قبض روح کے لیے آتا ہے تو

پہلے ہی اس سے کہدیتا ہے کہ لا تخف مما انت قادم علیہ (یعنی جس دوسرے عالم میں تم کو اب جانا ہے اس سے ڈرو مت وہاں تمہارے لیے راحت ہی راحت ہے) تو اس کی ساری وحشت اور سارا ڈر ختم ہو جاتا ہے، پھر فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ لا تحزن علی الدنیا ولا علی اھلھا وابشر بالجنۃ" (یعنی دُنیا اور دُنیا والے تمہارے اعزہ اور اقارب جو تم سے چھوٹ رہے ہیں ان کا کوئی صدمہ نہ کرو، اور خوش ہو جاؤ کہ دُنیا کے بدلے جنّت اور اہل دُنیا کے بدلے اہل جنت سے اب تمہارا واسطہ رہے گا) تو وہ ہنسی خوشی اس دُنیا سے کوچ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ اللہ سے خاص دلی لگاؤ رکھنے والے اس کے مومن صالح بندہ کے پاس موت کا فرشتہ جب آتا ہے تو پہلے اللہ کی طرف سے اس کو سلام پہونچاتا ہے اور کہتا ہے "ربک یقرئک السلام" (یعنی تمہارا رب تعالےٰ تمکو سلام کہتا ہے) ـــــ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ کے فرشتے جب اس قسم کے پیغامات کسی خوش نصیب بندہ کو پہونچاتے ہوں گے تو وہ کس قدر خوش اور مسرور ہوگا اور کیسا ہشاش بشاش اس دُنیا سے جاتا ہوگا۔

اور اللہ کے نیک اور مخلص بندوں کو موت اور ما بعد الموت کے متعلق یہ بشارت تو خود قرآن پاک سنا رہا ہے کہ "یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ"۔

حضرات! اللہ کے یہ انعامات اور فرشتوں کی یہ بشارات حاصل کرنا ہم میں سے ہر ایک کیلیے ممکن ہے شرط صرف یہ ہے کہ ہم اپنی موجودہ غفلت کی حالت کو دور کر کے اللہ کی خشیت اور تقویٰ اپنے اندر پیدا کرلیں اور پھر اپنی زندگی اس کی ہدایت کے مطابق گزاریں کسی عارف نے کہا ہے ؎

یاد داری کہ وقت زادن تو ہمہ خنداں بدند و تو گریاں ایچنیں زی کہ وقت مردن تو ہمہ گریاں بوند و تو خنداں

مطلب ان دونوں شعروں کا یہ ہے کہ تجھے کچھ یاد ہے کہ جس وقت تو نے اس دنیا میں پہلا قدم رکھا تھا تو تیرے سب گھر والے تو شاداں و خنداں تھے مگر تو رو رہا تھا، اب اس دنیا میں اس طرح اللہ والوں کی سی زندگی بسر کر کہ جس وقت تو اس دنیا سے کوچ کرنے لگے تو سب تو تیرے لیے روتے ہوں مگر تو خوش و خرم و ہشاش بشاش جاتا ہو کہ گویا قید خانہ سے چھوٹ کے اپنے گھر جا رہا ہے۔

تفسیر ابن جریر میں ایک روایت ہے کہ کسی مومن صادق اور بندۂ صالح کے پاس جب موت کے فرشتے پہونچتے ہیں تو پہلے اُس سے کہتے ہیں کہ ہم تمکو لے چلیں یا اسی دُنیا میں چھوڑ دیں؟ ـــــ تو وہ کہتا ہے کیا آپ مجھے پریشانیوں اور مصیبتوں کے اس گھر میں چھوڑ جانا چاہتے ہیں، "قدمونی الی اللہ تعالیٰ" (مجھے جلدی اللہ کی طرف لے چلو)

اور بعض اصحاب طمانیت کو موت کے وقت اس کی بھی مسرت ہوتی ہے کہ اب ہم اس عالم میں پہنچ جائیں گے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام اور حضرات انبیاء سابقین پہلے تشریف لیجا چکے ہیں اور وہاں انشاء اللہ ان حضرات کی زیارت و ملاقات کی دولت نصیب ہوگی، چنانچہ شفاء قاضی عیاض میں منقول ہے کہ حضرت بلال کی وفات کا جب وقت آیا تو ان کی بیوی کی زبان سے نکلا "واحزناہ" (یعنی ہائے کیسے غم کا وقت ہے) حضرت بلال نے فوراً کہا، نہیں نہیں واطرباہ واطرباہ "غداً القی الاحبۃ محمداً وحزبہ" (بڑی خوشی کا موقع ہے ہم کل انشاء اللہ اپنے گزر جانیوالے دوستوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے ساتھیوں سے جا ملیں گے)

مگر یہ کیفیت اور یہ دولت جب ہی ہم کو حاصل ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے کو اس لائق بنا لیں، ورنہ اگر یوں ہی ہم غفلت کی زندگی گذارتے رہے اور محاسبہ آخرت سے بے پرواہ ہو کر شیطانی راہوں پر چلتے رہے جو ہمارا عام حال ہے تو ہمارے لیے پھر مصیبت ہی مصیبت اور حسرت ہی حسرت ہوگی۔

ہم میں سے بہت سے اس غلط فہمی میں ہیں کہ زندگی بھر تو خوب عیش کے گلچھرے اڑاؤ، جب موت کا وقت آئیگا تو توبہ کر لیں گے اللہ غفور رحیم ہے۔ انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ محض شیطانی وسوسہ ہے اول تو کسے خبر ہے کہ موت کا جب وقت آئیگا تو توبہ کی مہلت بھی مل سکیگی یا نہ مل سکے گی۔ علاوہ ازیں یہ کہ توبہ کی قبولیت و عدم قبولیت کا قانون صاف صاف قرآن پاک میں بیان کر دیا گیا ہے کہ توبہ قبول کرنے کی ذمہ داری صرف اُن لوگوں کی ہے جو نادانی سے بُرے کام کر بیٹھتے ہیں اور پھر جلدی سے اپنے کیے پر پچھتا کے سچے دل سے توبہ کر لیتے ہیں، لیکن جو لوگ ایسے ڈھیٹ ہیں کہ مدۃ العمر تو بیباکی سے گناہ کرتے رہے اور جب موت سامنے آکھڑی ہوئی تو گڑگڑا کے توبہ کرنے لگے تو ایسے ناہنجاروں کی توبہ کچھ بھی نہیں قرآن حکیم نے نہایت واضح الفاظ میں اعلان کر دیا ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ

پھر یہ بھی تو کسی کو معلوم نہیں کہ موت میں کتنا وقت باقی ہے، کیا پتہ کہ یہ دن ہی زندگی کا آخری دن اور یہ رات ہی زندگی کی آخری رات ہو، آخر آئے دن ہم اور آپ یہ خبریں سنتے ہی رہتے ہیں کہ فلاں صاحب اچھے خاصے بیٹھے تھے اچانک ہارٹ فیل ہو گیا اور دو منٹ کے اندر اندر ختم ہو گئے۔ اور پھر بالخصوص اس زمانہ میں زندگی کا کیا بھروسہ، جبکہ ہر وقت یہ خطرہ بھی لگا ہوا ہے کہ معلوم نہیں کس وقت جنگ کا رُخ اس طرف کو ہو جائے اور ناگہانی موتوں کا جو بازار ہمارے مشرق اور مغرب میں گرم ہے وہی صورت یہاں بھی پیدا ہو جائے، بہر حال ہر دن بلکہ ہر گھڑی اور ہر لمحہ کو توبہ و استغفار کی آخری مہلت سمجھنا چاہیے اور جلد سے جلد اللہ پاک سے اپنا معاملہ صاف کر لینا چاہیے اب تک جو وقت غفلت میں گزرا اور جو سیاہ کاریاں اس غفلت میں ہم سے ہوئیں اُن کے لیے ٹوٹے ہوئے دل سے اللہ پاک سے معافی مانگی جائے اور آئندہ کے لیے دل کے پورے عزم کے ساتھ اُس سے عہد طاعت کیا جائے، اور پھر اُس سے مغفرت و رحمت کی اُمید رکھی جائے اگر ہماری یہ توبہ یہ معافی طلبی سچے دل سے ہوگی تو یقیناً وہ ہمارے سارے پچھلے گناہ معاف فرما دے گا، حدیث پاک میں ہے

"اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ" (یعنی گناہ سے سچی توبہ کرنیکے بعد آدمی بالکل بےگناہ سا ہی ہو جاتا ہے)

بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک آتا ہے کہ "کیوم ولدتہ امہ" کہ سچی توبہ کے بعد آدمی گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے دن بے گناہ اس دنیا میں آیا تھا۔ اور قرآن پاک کے ایک اشارہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تائبین کو

پہلے گناہ بھی نیکیوں سے بدل دیے جاتے ہیں۔ سورۂ "فرقان" کی ایک آیت ہے:-

"اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا"

اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ جن خوش نصیبوں نے سچی توبہ کرکے اپنی باقی زندگی "ایمان صادق" اور "عمل صالح" کے ساتھ گذاری تو ان کے گناہوں کو بھی اللہ پاک نیکیوں سے بدل دیگا —— اللہ اکبر! کیا ٹھکانا اس رحمت کا!

لیکن یہ نہ سمجھیے گا کہ بس زبان سے یہ کہہ دینے سے کہ "اللہ میری توبہ ہے" یا "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ" کی تسبیح پڑھ لینے سے آپ ان رحمتوں کے مستحق ہو جائیں گے، نہیں ہرگز نہیں! توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ غلطیوں اور معصیتوں پر دل پوری طرح نادم و پشیمان ہو اور آئندہ کیلیے دل سے یہ قطعی اور حتمی فیصلہ ہو کہ اب یہ غلطی اور معصیت نہ ہوگی۔

امام غزالیؒ نے سچی توبہ کرنے والوں کی مثال اس طرح دی ہے کہ فرض کرو ایک شخص نے کسی فوری اشتعال اور غصہ سے متاثر ہوکر زہر کھالیا، وہ کھاتے تو کھا گیا لیکن جب اندر جاکر اس نے اپنا کام شروع کیا تو اب اس شخص کو اپنی حماقت اور غلطی کا احساس ہوا، اب وہ طبیبوں کے پاس دوڑتا ہے اور کہتا ہے للہ مجھے ایسی دوا دو کہ زہر اثر نہ کرے اور میں مرنے سے بچ جاؤں، — فرماتے ہیں کہ بس توبہ و استغفار کے وقت آدمی کے دل کی کیفیت ایسی ہونی چاہیے جیسی کہ اس زہر کھا جانے والے شخص کی ہوتی ہے۔

ہاں اگر لغزش بشری سے پھر وہی خطا ہو جائے تو پھر ایسی ہی توبہ کرلے اللہ پاک بخشنے والا اور رحمت فرمانے والا ہے بہرحال توبہ کے وقت دل کی ندامت و پشیمانی اور اپنی سابقہ غلط کاریوں پر رنج و ملال اور آئندہ کے لیے گناہوں سے اجتناب کا صادق عزم ضروری ہے اس کے بغیر صرف زبان سے ہزار بار بھی توبہ کی جائے تو بے سود ہے

خوب یاد رکھیے! انسان ہر ایک کو فریب دے سکتا ہے اور خود بھی اپنے نفس کے فریب میں مبتلا ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ کو کوئی فریب نہیں دے سکتا، وہ "علیم بذات الصدور" ہے خوب جانتا ہے کہ آپ کی توبہ اور آپ کی طلب مغفرت صرف زبانی ہے یا دل سے ہے۔

اب میں اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں اور آخر میں اپنے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی اور مغفرت چاہتا ہوں، اور آپ کے لیے بھی اس سے مغفرت و رحمت کی دُعا کرتا ہوں، آپ بھی اپنے لیے اور میرے لیے اسی کی دُعا فرمائیں اور اپنی دعاؤں میں میرے ان مرحوم بھائی کو بھی شریک کریں جن کے دفن کرنے ہی کے لیے ہم، آپ اس رات کے وقت یہاں جمع ہیں۔

(اس کے بعد دعا و استغفار ہی پر یہ سلسلہ ختم ہوگیا)

نوٹ:- پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے اور اب مکرر عرض کیا جاتا ہے کہ اس تقریر کو تحریری شکل میں منضبط کرتے وقت تکمیل فائدہ کیلیے کچھ چیزوں کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے، اسی طرح کچھ باتیں قلم انداز بھی ہو گئی ہونگی۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

العزاء والرثاء

[میرے ایک محترم اور کرم فرما بزرگ نے میرے درد وغم میں شریک ہو کر اور میرے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے بلکہ میری ہی زبان سے مرحوم بھائی کی رحلت پر عربی اور فارسی کے یہ چند شعر کہے ہیں جو ان بزرگ کے شکریہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین الفرقان کیے جاتے ہیں] مدیر

(۱)

کفانی عزاءً اننی لشقیق من　　یلبّی بعامٍ مرتین منادیہ

میری تسلی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ میرا بھائی وہ تھا جس نے ایک سال میں دو مرتبہ اللہ کے منادی کو "لبیک" کہا[۱]

وانّ قضاء اللہ خیرٌ وحکمۃ　　فاحسبُ ما یقضیہ عین مرادیہ

اور اللہ پاک کے فیصلوں میں تو سراسر بھلائی اور حکمت ہی ہے، پس اس کے ہر فیصلہ کو میں اپنا عین مطلوب قرار دیتا ہوں

وذالک تقدیر الودود فما انا　　بشاکٍ ید اً اصبحت علیٰ ایادیہ

اور یہ جو کچھ ہوا اپنے بندوں سے پیار اور رحمت کرنے والے مولا کی تقدیر اور اس کے حکم سے ہوا، پس میں اس کی شکایت نہیں کر سکتا جس نے مجھ کو ہمیشہ اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا ہے۔

نصبراً جمیلاً کے یکون فراقہ　　موافقنا یوم التلاقی نزادیہ

پس اے قلب حزین! صبر جمیل سے کام لے تاکہ بھائی کی جدائی کا یہ صدمہ قیامت کے دن میدان حشر میں اپنے لیے "زاد راہ" بن جائے۔

(۲)

نازم زسر سپاس و نازست روا　　کاورد بیک سال دو لبیک بجا

تا راہ سوئے خانۂ اش از پیش نہ برو　　راہی نشدہ برادرم سوئے خدا

(۳)

نازم بسر نیاز و نازم برجا　　کے پشتہ ہنوزم زنیازست بپا

نومید نیم بحکم انا للہ　　یا بم فرو اش چو شوم پیش خدا

---

[۱] یعنی ایک مرتبہ تو بصورت حج کہ دعوت خداوندی پر بیت اللہ پہونچ کر لبیک کہا اور دوسری مرتبہ دنیا سے بالکل قطع علائق کر کے اس کے گھر کی اُدھر

یہ مضمون ایک عارف کے واقعہ سے لیا گیا ہے جو حج بیت اللہ کو گئے وہاں سے واپس آ کر جب اپنے گھر پہنچے تو اُن پر ایک خاص حال طاری ہوا جس سے مغلوب ہو کر انھوں نے بآواز بلند لبیک لبیک کہنا شروع کیا کہ گویا کوئی بلانے والا ان کو بلا رہا ہے اور وہ حاضری کیلیے بیتاب ہیں اور اسی حال میں واصل بحق ہو گئے رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۳) عن ابنِ عُمَرَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر قایم کی گئی ہی، ایک اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی "الہ" نہیں (یعنی بجز خدا کے بندگی کے لائق کوئی ہستی نہیں) اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۔ دوسرے نماز قایم کرنا ۔ تیسرے زکوٰۃ دینا ۔ چوتھے حج کرنا، پانچویں ماہ رمضان کے روزے رکھنا"

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعارہ کے طور پر اسلام کو ایک ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہی جو چند ستونوں پر قایم ہو اور بتلایا ہی کہ "یہ عمارتِ اسلام" ان پانچ ستونوں پر قایم ہی ۔

واضح رہے کہ اسلام کے فرائض ان ارکان خمسہ ہی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں مثلاً جہاد فی سبیل اللہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ وغیرہ لیکن جو اہمیت اور خصوصیت ان پانچ کو حاصل ہی وہ چونکہ اوروں میں نہیں ہی اس لیے ان کو "رکن" قرار دیا گیا ہی، اور وہ خاص اہمیت اور خصوصیت وہی ہی جو اس سے پہلی حدیث (حدیث جبرئیل) کی تشریح کے ضمن میں عرض کی جا چکی ہی جس کا حاصل یہ ہی کہ "یہ ارکان خمسہ" "حقیقتِ اسلام" کے لیے بمنزلہ "پیکرِ محسوس" کے ہیں ۔

فی زمانا بہت سے لوگ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ مسلمان ہونے اور نجات اُخروی حاصل کرنے کیلیے بس اسلام کا اعتقاد اور توحید و رسالت کی شہادت کافی ہی اور اس لیے نماز، زکوٰۃ وغیرہ ارکان اسلام کے بارہ میں وہ انتہائی غفلت برتتے ہیں ۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ سخت غلط فہمی میں ہیں، اور جس طرح ایسی عمارت جو چند ستونوں ہی پر اُٹھائی گئی ہو کسی جانب کے ایک دو ستون کے

گر جانے سے بھی خطرہ میں پڑ جاتی ہے اسی طرح "ارکان اسلام" کی ادائگی کے بغیر اُن کے "اسلام" کی بھی خیر نہیں ہے۔ قرن اول (عہد نبوی اور دورِ خلافت راشدہ) میں ایسے "مسلمان" کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا جو اپنے کو مسلمان تو کہے مگر نماز نہ پڑھے یا زکوٰۃ نہ دے، یا روزے نہ رکھے لیکن آج لاکھوں یا کروروں ایسے ہیں جو اسلام سے نسبت اور وابستگی کے باوجود ان ارکان اسلام سے بے پروا بلکہ قطعاً بے تعلق ہیں، اگر وہ اپنی نسبت اسی اسلام سے کرتے ہیں جس کی دعوت اور تعلیم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دی تھی تو انھیں چاہیے کہ وہ آنحضرت کی اس جیسی احادیث کو سامنے رکھ کر اپنے رویہ کی اصلاح کریں، ورنہ یوم الجزا میں اُن کو سخت مایوسی کا سامنا ہوگا،

---

(۴) عن ابی ھریرۃ (رضی اللہ عنہ) قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم "الایمان بضعٌ وسبعون شعبۃ فافضلھا قول لا الٰہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان۔" (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "ایمان کی ستر سے کئی اوپر شاخیں ہیں، ان میں سب سے اعلےٰ اور افضل تو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہونا یعنی توحید الٰہی کی شہادت دینا ہے اور ان میں ادنیٰ درجہ کی چیز راستہ سے اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا ہٹانا ہے، اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔"

اوپر والی حدیث میں اسلام کے "ارکان" بیان کیے گئے تھے، اس حدیث میں "ایمان" کے "شعبوں" کا بیان فرمایا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ شجرۂ ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں جن میں سب سے زیادہ اہمیت تو شہادتِ توحید کو حاصل ہے اور کم سے کم درجہ کی چیز یہ ہے کہ راستہ میں سے وہ چیزیں ہٹا دی جائیں جو لوگوں کے لیے باعث تکلیف ہوتی ہوں یعنی یہ بھی ایمان کی خصلتوں میں سے ایک ادنیٰ خصلت ہے، اور آخر میں حیا کے متعلق خصوصیت سے انتباہ فرمایا کہ وہ بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔"

اس حدیث میں ایمان کے شعبوں کے لیے ستر سے کئی اوپر کا جو عدد ذکر کیا گیا ہے اس سے غالباً صرف کثرت مراد ہے اور اہل عرب صرف مبالغہ اور کثرت کے لیے ستر کا عدد عام طور سے بولتے ہیں اور اس حدیث میں ستر پر جو کئی اور کا اضافہ کیا گیا ہے سو یہ غالباً مزید مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ہے۔ (عمدہ، مرقاۃ) لیکن بعض حضرات نے اس سے خاص عدد "ستر" بھی سمجھا ہے اس بنا پر کہ لفظ "بضع"، خاص سات کے عدد کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے، اور پھر ان حضرات نے اپنے اس خیال کے مطابق

ایمان کے ان متفرق شعبوں کو متعین کرنے کی بھی کوشش کی ہے، اور ان کوششوں کے کچھ نتائج صحیح بخاری کی شرح "فتح الباری"
اور "عمدۃ القاری" وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں، لیکن ان کے مطالعہ کے بعد یہی رائے قائم ہوتی ہے کہ یہ محض تخمینے ہیں جن میں
بہت کچھ رد و قدح کی گنجائش ہے۔ اس لیے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا منشا "بضع وسبعون" کے
لفظ سے کوئی خاص عدد معین کرنا نہیں ہے بلکہ محاورہ عرب کے مطابق صرف کثرت مراد ہے، اور ایک قرینہ اس کا یہ بھی ہے
کہ اگر آپ کا منشا عدد کی تعیین کرنا ہوتا تو پھر آپ اس اجمال و ابہام پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ ان کی تفصیل بھی فرماتے جیسا کہ
مقام کا مقتضا تھا (قالہ الطیبی)

اس حدیث میں ایمان کا سب سے اعلیٰ شعبہ شہادتِ توحید کو قرار دیا گیا ہے اور ادنیٰ درجہ کے لیے راستہ کی صفائی
کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب ان دونوں درجوں کے درمیان جس قدر بھی امور خیر کا تصور کیا جا سکتا ہو (خواہ وہ اعتقادات کے
قبیل سے ہوں یا اعمال کے، اور پھر خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا بندوں کے باہمی معاملات سے) وہ سب ہی
گویا ایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں ہیں جن کا عدد یقیناً سیکڑوں تک پہنچے گا۔ البتہ جیسا کہ حدیث میں تصریح کر دی گئی
ہے ان کے درجات اور مراتب میں فرق ہوگا، اور یہ حال ایمان ہی کا نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جس کے بہت سے اجزاء یا
جس کی بہت سی شاخیں ہوں اس کا حال عموماً یہی ہوتا ہے کہ اس کے بعض اجزاء یا بعض شعبے دیگر اجزاء اور دیگر شعبوں
سے اعلیٰ ہوتے ہیں، اور بعض ادنیٰ و کمتر، مثلاً انسان ہی کو لیجیے یوں تو اس کا ہر عضو بلکہ ہر بال بھی ایک جزو ہے لیکن ظاہر
ہے کہ اس کے بعض اعضا مثلاً سر کو دیگر اعضا کے لحاظ سے خاص فوقیت اور اہمیت حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر اس کا ہاتھ یا
ویسا ہی کوئی اور عضو کاٹ دیا جائے تو وہ انسان ہی رہتا ہے اگرچہ ناقص قسم کا انسان ہو جاتا ہے لیکن اگر بالفرض اس کا
سر تن سے جدا کر دیا جائے تو پھر باقی لاشہ "انسان" نہیں رہتا،

علیٰ ہذا درخت کی ہر ٹہنی اگرچہ اس کی شاخ ہے لیکن اس کی بہت سی ٹہنیاں بھی اگر کاٹ دی جائیں تو درخت
باقی رہتا ہے البتہ اگر اس کا تنہ کاٹ دیا جائے تو درخت بھی ختم ہو جاتا ہے بس یہی حال "ایمان" کا ہے، اس کے شعبے اور
اس کی شاخیں جیسا کہ اس حدیث میں بیان فرمایا گیا بہت سی ہیں لیکن وہ سب مختلف الحیثیت اور مختلف المراتب ہیں،
مثلاً شہادتِ توحید و رسالت یا اسی قسم کے جو اور بنیادی امور ہیں اگر وہ نہ رہیں تو "ایمان" نہیں رہ سکتا لیکن جو شاخیں
اس درجہ کی نہیں ہیں، مثلاً عام اعمال حسنہ (جو اس حدیث کے مضمون کے مطابق ایمان ہی کی شاخیں ہیں) اگر ان میں
سے کوئی کم ہو یا نہ ہو تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ "ایمان" ہی نہیں رہا، ہاں علیٰ فرق مراتب یہ کہہ سکیں گے کہ ایمان کا فلاں
شعبہ نہیں ہے یا ایمان میں اس درجہ کا نقص ہے اور یہ کمی ہے،

حدیث کے آخر میں "حیاء" کے متعلق جو خصوصیت سے انتباہ فرمایا کہ "وہ بھی ایمان کا شعبہ ہے"، تو یا تو یہ تصریح اس لیے فرمائی گئی ہے کہ جس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا اُس وقت کسی سے حیاء میں کوئی کوتاہی ظاہر ہوئی تھی تو اُس کی اصلاح کے لیے حضرت نے یہ خصوصی انتباہ فرمایا، جیسا کہ صاحب حکمت معلموں کا طریقہ ہوتا ہے، اور یا اس سے آپ کا منشاء اس چیز کی طرف توجہ دلانا تھا کہ اچھے فطری خصائل بھی (جن میں سے ایک حیا بھی ہے) ایمان کے شعبوں ہی سے ہیں۔ اور ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ "حیاء" انسان کو معاصی اور امور قبیحہ کے بہت بڑے حصہ سے روکتی ہے اور اس لیے ایمان کے مقصد میں بہت زیادہ مدد دیتی ہے تو اُس کی اس خصوصی اہمیت ہی کی وجہ سے آپ نے اس موقع پر تخصیص کے ساتھ اُس کا ذکر فرمایا ہو۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حیاء صرف اپنے ہم جنسوں ہی سے نہیں کی جاتی بلکہ سب سے زیادہ جس کی حیاء ہم کو ہونی چاہیے وہ ہمارا خالق و مولا اللہ تعالےٰ ہے، ہم میں بڑا بے حیا و بے ادب وہ سمجھا جاتا ہے جو اپنے بڑوں کا پاس لحاظ نہ کرے اور اُن کے سامنے بے حیائی کے کام اور بُری باتیں کرے، لیکن فی الحقیقت سب سے بڑا بے حیا وہ بدبخت انسان ہے جو اپنے مولا سے نہیں شرماتا اور یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ پاک ہر وقت مجھے اور میرے فعلوں کو بے حجاب دیکھتا اور میری باتوں کو بلا واسطہ سنتا ہے اُس کے سامنے وہ بُرے کام اور ناروا حرکتیں کرتا ہے۔

بس اگر آدمی میں حیاء کا خلق پوری طرح بیدار اور کارفرما ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کے ہم جنسوں کی نظروں میں اُس کی زندگی پاکیزہ اور ستھری ہو گی بلکہ اُس سے اللہ تعالےٰ کی معصیات کا صدور بھی بہت کم ہو گا۔

جامع ترمذی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے ایک دن اپنے اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"استحیوا من اللہ حق الحیاء قالوا انا نستحیی والحمد للہ، فقال لیس ذالک ولکن الاستحیاء من اللہ حق الحیاء ان تحفظ الراس وما حوی والبطن وما وعی وتذکر الموت والبلی فمن فعل ذالک فقد استحیی من اللہ حق الحیاء"

اللہ تعالےٰ سے ایسی حیا کرو کہ حیا کا حق ادا ہو جائے، مخاطبین نے عرض کیا الحمد للہ کہ ہم خدا سے حیا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا "یہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے کما حقہ حیاء یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہوں اُن سب کی نگہداشت کرو اور پیٹ اور پیٹ میں جو بھرا ہوا ہے اس سب کی نگرانی کرو (یعنی بُرے خیالات سے دماغ کی اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت اور موت کے بعد قبر میں تمہاری جو حالت ہونی ہے اس کو یاد رکھو، جس نے یہ سب کچھ کیا، سمجھو کہ اس نے اللہ سے حیاء کا حق ادا کر دیا۔

قرآن اور سیرت سازی

(از جناب ڈاکٹر ولی الدین پروفیسر فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(یہ مقالہ حیدرآباد اکاڈیمی میں پڑھا گیا)

خرم نیست کسے کہ تختِ عاجے دارد   تا آنکہ نہ شاہانہ مزاجے دارد!
یعنی کہ خروس پیشِ اربابِ شعور   سلطان نشود اگرچہ تاجے دارد! (درد)

دُنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت شی، سب سے زیادہ گراں قدر اور عزیز شی، پاک سیرت ہی! زندگی تربیت گاہ ہی، حق تعالےٰ، مربّی و معلّم ہیں، واقعات و حادثات وہ آلات وادوات ہیں، جن کے ذریعہ وہ ہماری سیرت کی تکمیل کر رہے ہیں، دُنیا کی "روح سازوادی" میں کبھی غم کے مضراب سے اور کبھی خوشی کے تاروں سے سیرت ہی کے نغمے بیدار کیے جاتے ہیں، زندگی کی غایت ہی یہ نظر آتی ہی کہ سیرت کو سنوارا جائے، پختہ کیا جائے، کامل بنایا جائے کیوں؟ اس لیے کہ سیرت ہی پر دُنیوی کامیابی کا انحصار ہی، سیرت ہی پر فوزِ آخرت کا مدار ہی، دین و دُنیا کی اصلاح سیرت ہی کی اصلاح سے ہو سکتی ہی، سیرت ہی پر جسمانی اور روحانی صحت مبنی ہوتی ہی، اور بردِ قلبی اور طمانیت خاطر پاک سیرت ہی کا نتیجہ ہی! بنی آدم کا "اکرام" سیرت ہی کی پاکی کی وجہ سے ہوتا ہی، جو انسان پاک سیرت نہیں وہ صورةً گو انسان ہی، لیکن حقیقتاً وہ حیوان ہی یا دیو ہی یا غول ہی "شیاطین الانس" میں اس کا شمار ہی، وہ دُنیا، دین اور آخرت کی حقیقی اقدار سے محروم ہی!

سیرت، علمائے نفسیات کی باریک بیں اور دور رس نگاہیں، ان تیقنات عادات و میلانات کا مجموعہ ہی جو فرد کے کردار کی رہنمائی کرتا ہی اسکو دوسروں سے متمیز کرتا ہی اور اسکی وحدت کردار کا باعث ہی۔ ہر فرد دوسرے سے متمیز ہوتا ہی صورت میں اور سیرت میں صورت کی غیریت جو حقیقی و اقعی ہوتی ہی یہ رفع نہیں کیجا سکتی، اور نہ کوئی اس کو رفع کرنا چاہتا ہی لیکن سیرت میں ایک قسم کی مماثلت ہو سکتی ہی یہ مماثلت عینیت نہیں انفرادیت ناقابل انکار ہی باوجود مماثلت کے انفرادیت موجود ہوتی ہی اور اس انفرادیت کا مبدء انا اور اس کے وہ اقتضاءات و قابلیات ہیں، جو اپنا ظہور عادات و افعال میں کرتے ہیں، اور اس تمام مجموعہ کو ہم نفسیات کی اصطلاح میں سیرت سے

تعبیر کرتے ہیں، سیرت افعال میں وحدت پیدا کرتی ہے، اور سیرت کے کامل علم کے بعد بڑی حد تک فرد کے افعال کی پیشین گوئی ممکن ہو جاتی ہے۔

سیرت کی تحلیل میں ہمیں اس امر کا خیال رکھنا چاہیے، کہ یہ عادات کی تنظیم کا نام ہے، عادت کی تشکیل افعال کی تکرار سے ہوتی ہے، افعال کا صدور بظاہر محرکات پر مبنی ہوتا ہے لیکن محرکات کا ماخذ و منبع وہ تیقنات واذعانات ہوتے ہیں، جو انسان زندگی کے تجربات، ماحول کے اثرات تعلیم اور دوسرے ذرائع سے حاصل کرتا ہے علم ویقین عمل وعادت یہ وہ اہم عناصر ہیں، جن میں سیرت کی تحلیل کی جا سکتی ہے، سیرت سازی کے طریقے کو جاننے کے لیے ہمیں ان ہی عناصر کی تحقیق کرنی ہوگی۔

(۱) **علم ویقین اَلْعِلْمُ نُکْتَۃٌ** سیرت سازی کیلیے صرف ایک نکتہ کا وجدانی اجمالی علم کافی ہے پھر علمی طور پر اس کی تفصیل وتوضیح میں دفاتر رنگے جا سکتے ہیں ؎

دل گفت مرا علم لدنی ہوس است ۔۔۔ تعلیم کن گرت بدین دسترس است
گفتم کہ الف، دگر گفتم ہیچ ۔۔۔ در خانہ اگر کس است یکحرف بس است
(شیخ عزیزالدین محمود الکاشی)

وہ وجدانی علم، علم لدنی، حق تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار ہے، اسی اقرار کی مضبوط چٹان پر سیرت کی مستحکم عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے، اس اقرار کے تضمنات پر غور کرو، جب میں ایمان واذعان کی شاہانہ قوت سے حق تعالیٰ کے الٰہ ہونے کا اقرار کرتا ہوں تو سب سے پہلے میں یہ مان رہا ہوں کہ حق تعالیٰ ہی معبود ہیں، وہی عبادت یا پرستش کے قابل ہیں، عبادت کیا ہے، یہ غایت تذلل کا نام ہے، اظہار ذلت کا نام ہے، میرا یہ سر اگر جھک سکتا ہے، تو بس میرے خالق، میرے مولیٰ میرے مالک وحاکم ہی کے سامنے جھک سکتا ہے، اور غیر کے سامنے ہرگز نہیں جھک سکتا! اظہار ذلت کی وجہ کیا ہے؟ میں فقیر ہوں، محتاج ہوں، میرا معبود غنی ہے، قوت واقتدار سے متصف ہے، علم وحکمت سے موصوف ہے، رب ہے، پالنے والا ہے مستعان ہے، مدد کرنیوالا ہے، استعانت ہی کی خاطر میں اس کے سامنے اظہار ذلت کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ سارا عالم فقیر ہے اور میرا معبود ہی صرف غنی وحمید ہے، میں اس کا فقیر ہو کر سارے عالم سے غنی ہوں، میرا یہ احساس کہ میں اُس شہنشاہ کا دریوزہ گر ہوں، جس کے دریوزہ گر سارے شاہ وگدا ہیں، مجھے سارے عالم سے بے نیاز کر دیتا ہے، اور میں کفی باللہ وکیلا کہکر عبادت واستعانت کے نقطۂ نظر سے ماسوی اللہ سے کٹ جاتا ہوں، اور فقر وذلت یا بندگی کی نسبت اللہ ہی سے جوڑ لیتا ہوں، اب کائنات کی بڑی سے بڑی قوت بھی میرے لیے نہ اُمیدوں کا مرکز بن سکتی ہے اور نہ خوف وہراس کا سبب، ان سب کا فقر، ان سب کی ذلت ومجبوری، بیچارگی وبےبسی میری

نظروں میں اتنی ہی آشکارا و ہویدا ہوجاتی ہی، جتنی کہ خود میری بیکسی و مجبوری، ہم سب عبد ہیں، کوئی چیز اصالتاً ہماری نہیں، فقر ہماری ذاتی صفت ہی، امانۃً چندروز کیلیے چند چیزیں ہم کو دی جاتی ہیں، نادانی سے ہم ان کو اپنی سمجھتے ہیں، حقیقی مالک کو بھول جاتے ہیں، انہی کی محبت میں فریفتہ ہوجاتے ہیں، حقیقی اقدار سے غافل ہوجاتے ہیں، ناگہاں یہ طلسم ٹوٹ جاتا ہی، اور ساری محبوب و مرغوب چیزیں موت ہم سے چھین لیتی ہی، اور پھر اپنے اصلی فقر و ذلت کے ساتھ ہم نادم و پشیمان اس جہان سے رخصت ہوجاتے ہیں، تاکہ اپنے اعمال کے اثرات کو، اپنے افعال کے نتائج کو، اپنے کردار کے اثمار و عواقب کو جو اس دُنیا میں بھی اپنی موجودگی کا مختلف رنگوں میں ہمیں احساس بخش رہے تھے، زیادہ نمایاں زیادہ واضح اور اُجاگر طریقے سے دیکھیں، اور حسرت و ندامت کی آگ میں جلیں!

سیرت کی تعمیر اسی اساسی یقین پر ہوتی ہی کہ حق تعالےٰ ہی معبود ہیں، جن کے آگے یہ میرا سر جو ساری جہان کے مقابلہ میں معزز و مفتخر، بلند و بالا ہی، فقیرانہ شان سے جھک رہا ہی، اور حیات و علم، رزق و فراخی، صحت و عزت، ہدایت و رشد کی استدعا کر رہا ہی اور غیر متزلزل یقین کے ساتھ کر رہا ہی، کہ جو اس کی آنکھ چاہے جو تماشا دکھلائے، اور وہ جو چاہے جو مانے اور منوائے، یہ ساری نعمتیں حق تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں! اور دیتے ہیں، ان کے سوا نہ کسی میں حول و قوت ہی، اور نہ فعل و اثر! وما بکم من نعمۃ فمن اللہ! صورتوں سے جو ہم نے اُمیدیں باندھ رکھی ہیں، صورتوں کو جو ہمنے خوف کی چیزیں سمجھ رکھا ہے صورتوں کے سامنے جو ہم ذلت کا اظہار کر رہے ہیں، اور صورتوں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور ان کو رب بنا رکھا ہی یہ کس قدر عظیم الشان دھوکا ہی، اس کے ضرر و ضلال کا پہلو کس قدر قوی ہی، عزتِ نفس کی خونریزی کو دیکھو، اپنی ذلت و رُسوائی کو دیکھو، اس کذب و افترا کے نتائج پر غور کرو، فقیروں کے در پر سوال کرنے سے بھی کچھ ملا ہی، اس غریب کے ہاں کیا رکھا ہی جو دوسروں کو دے، اُمیدوں کا خون ہونا لازمی ہی، حسرت و حرمان قطعی، جو بیچارہ اپنے درد دُکھ کو دفع نہ کرسکتا ہو، وہ تمھارے درد و غم کا کیا علاج کرسکتا ہی، وہ تمھارا امولیٰ و رب کیسے ہوسکتا ہی! ہائے تم نے حقیقت کو چھوڑ کر سایہ کا تعاقب شروع کردیا ہی، بیدار کو چھوڑ کر مدہوش سے التجا کر رہے ہو، زندے کو چھوڑ کر مردے سے لپٹے ہوئے ہو! تمھارے وہم نے تمھیں کس التباس میں مبتلا کر رکھا ہی!

بقولِ دُشمن پیمانِ دوست بشکستی ببیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

معبود و مستعان صرف حق تعالےٰ ہی ہیں، ذل و افتقار کی نسبت ان ہی سے ہیں، جوڑنا چاہیئے وہی ہماری اُمیدوں کے مرکز ہیں، ان ہی کی ناراضی سے ہمیں خوف کرنا چاہیے، ان چوب و سنگ یا گوشت و پوست کے جھوٹے خداؤں سے بندگی کی نسبت قطعًا توڑ لینی چاہیے ان سے نفع و ضرر کی توقع قطعًا چھوڑ دینی چاہیے،

تا چند گہ از چوب گہ از سنگ تراشی   بگذار خدائے کہ بصد رنگ تراشی

حق تعالیٰ کی معبودیت و ربوبیت پر یہ یقین، یہ ایمان، سیرت کا سنگِ بنیاد ہی، اسی یقین کی پرورش ہونی چاہئے الٰہہ باطلہ کی نفی، الٰہِ حق کا اثبات قلب کی گہرائیوں میں متمکن ہو جائے، تحت الشعور نفس میں جاگزیں ہو، رگوں میں خون کی طرح دوڑ جائے، علم الیقین کے مرتبہ سے گزر کر حق الیقین کے درجہ تک پہونچ جائے، متحقق ہو جائے تو پھر ایسی شخصیت کی تخلیق ہوتی ہو، جس کا مقابلہ کائنات کی کوئی قوت نہیں کر سکتی، وہ بفحوائے تخلقوا باخلاق اللہ خلق الٰہی سے مزین ہوتا ہی، تمام صفاتِ رذیلہ سے پاک اور تمام اوصافِ حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ ہوتا ہی، کامل عبد ہوتا ہی، جس سے بہتر، جس سے زیادہ مقدس دنیا میں کوئی شئی نہیں ہوتی!

توحیدِ معبودیت کی رو سے حق تعالیٰ ہی مالک و حاکم قرار پاتے ہیں، اور مستحق عبادت ٹھہرتے ہیں۔ ہمارا سر حقیقی مالک و حاکم ہی کے سامنے جھکتا ہی، جس کے آگے ساری کائنات سرنگوں ہی، طوعاً و کرہاً اور توحیدِ ربوبیت کی رو سے حقیقی فاعل حق تعالیٰ ہی قرار پاتے ہیں وہی خالق ہیں، وہی نافع و ضار ہیں، وہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں، ہمارا ہاتھ ان ہی کے آگے دراز ہوتا ہی، اور انہی سے ہم مدد و اعانت کیلیے درخواست کرتے ہیں، غنی کی ٹھہری ہمیں ساری کائنات سے بے نیاز اور غنی کر دیتی ہی!

دیکھو توحید معبودیت و ربوبیت کا سبق دیکر عرب کے اُمّی معلّم (فداہ ابی امی) نے اپنے متبعین کو صفاتِ رذیلہ سے کس طرح پاک اور صفاتِ حمیدہ سے کس طرح مزین کر دیا تھا، صفاتِ رذیلہ جس سے تمام علمائے اخلاق قلوب کا تزکیہ چاہتے ہیں، اس رباعی میں یوں ادا کیے گئے ہیں:۔

خواہی کہ دلت شود صاف چو آئینہ   دہ چیز برول کن از درون سینہ
حرص و حسد و بخل و حرام و غیبت   کذب و غضب و کبر و ریا و کینہ

دیکھو ان صفاتِ قبیحہ سے قلب کا تزکیہ سقراط کے "طنزیات" افلاطون کے "مکالمات" ارسطو کے "اخلاقیات" اور جدید فلسفیوں کے عالمانہ "خطبات" کے بغیر پڑھے اور سمجھے صرف لا الٰہ الا اللہ کے مختصر جملہ کو ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے کس آسانی سے ہو جاتا ہی۔

جب تک انسان دولت کو اپنی ملک سمجھتا ہی خود ہی کو اس کا مالک جانتا ہی، نہ حرص کا اس کے قلب سے تسلط اٹھ سکتا ہی اور نہ بخل و حسد کا، جوں ہی اُس نے سچے دل سے توحید فی الآثار کا اقرار کیا، اور یہ مان لیا کہ لہ ما فی السّماوات وما فی الارض وما بینھما اللہ ہی کے لیے ہو سارے آسمان اور زمین اور اُن کے درمیان جو کچھ ہی تو اُنکے

اپنی مالکیت وحاکمیت کی نفی کی اور حق تعالیٰ کی مالکیت وحاکمیت کا اثبات کیا، حقیقی مالک وحاکم ومتصرف حق تعالیٰ کو جانا اور اپنی ذات کو محض "امین" سمجھا، اب اسکی سمجھ میں بھی آگیا کہ حقیقی مالک ہی کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہی، امین امانت کے شرائط کے تحت ہی تصرف کا اختیار رکھتا ہی، اب اگر دولت پر جو اس وقت اس کی امانت میں ہی کوئی آفت آجاتی ہی، تو وہ بحیثیت امین اس کو بچانے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہی اگر نہ بچ سکے، تو جانتا ہی کہ مالکِ حقیقی امانت کا استرداد چاہتا ہی، اور بخوشی وہ اپنی امانت حوالہ کر دیتا ہی، اس طرح نہ اس کے جانے کا اس کو رنج ہوتا ہی، اور نہ اس کے آنے کی خوشی، اور اس کا قلب ان اضلال پیدا کرنے والے تاثرات سے پاک اور آزاد رہتا ہی، اور وہ ع

یک دلداری بس است یک دوست ترا

کہکر حق تعالیٰ ہی کو اپنا محبوب قرار دیتا ہی اور ہر ایک دم رنج وغم پریشانی وپشیمانی کے تمام احساسات وجذبات سے حقیقی معنی میں نجات حاصل کر لیتا ہی ایسے ہی خوش قسمت کی ذہنیت کو ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہی۔

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ (پ ۲۷ ع ۱۹)	تاکہ تم غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور شیخی نہ کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا۔

اِن اصول کو سمجھ لینے کے بعد غور کرو کہ وہ شخص حریص کیسے ہو سکتا ہی، جو مال ودولت کا حقیقی مالک حق تعالیٰ کو سمجھتا ہی، اور ان احمقوں کو جو اپنے ذات کو مالک سمجھ رہے ہیں، مخاطب کر کے کہتا ہی،

گماں مبر کہ زر وسیم دادہ اند ترا
ودیعتے است کہ داری بدست لختے چند

چہ سود گر بشوی غرہ بر متاع کسے
چو موش بر سر دکان روستا خرسند

حرص کے ساتھ بخل وحسد کی بھی جڑیں کٹ جاتی ہیں، جب مال ودولت ودیعت وامانت ہیں اور وہ بھی چندروزہ امانت، موت کے وقت یہ ہم سے واپس لے لی جاتی ہی، اور دوسروں کے حوالہ کی جاتی ہی، تو پھر اس علم کے بعد ہماری ذہنیت اس چوہیا کی طرح کیسے رہ سکتی ہی، جو بنیئے کی دوکان کی ساری چیزوں کو اپنی سمجھتی ہی اور اپنے ہی کو مالک ومتصرف جان کر بخل وحرص کا شکار بنتی ہی! غیر کے مال میں بخل بے معنی ہی، بخل ہوتا ہی اپنے مال میں، مال اپنا نہیں، پھر بخل کیسا؟ حرص کی بنیاد ہی اس خیال پر قایم ہی کہ مالک ہم ہیں، حقدار ہم ہیں، ہم کو نہیں مل رہا ہی دوسروں کو مل رہا ہی، ہم کو کیوں نہ ملے! جب مال میرا ہی نہ تیرا بلکہ مالک حقیقی کا تو حسد کس پر؟ حسد وحرص اور ان کے لازمی نتایج ہم وغم، درد وحزن، رنج والم نتیجہ ہیں خیانت فی الامانت کا، یعنی شرک کا، جوں ہی شرک کی جڑیں قلب سے لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ اکھاڑ کر پھینک دی گئیں اور اس کی بجائے توحید جلوہ افروز ہو گئی انسان

ان تباہ کن جذبات کے چنگل سے نجات پاجاتا ہے، حقیقی آزادی کا لطف اُٹھاتا ہے، سکون و برد قلبی کی دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے!

کبر و فخر و عجب کی اس قلب میں گنجائش ہی کہاں جو اپنے کو حاکم نہیں محکوم، مالک نہیں مملوک، رب نہیں مربوب، مولیٰ نہیں عبد سمجھتا ہو، اپنی محکومیت و مملوکیت کا یقین جو موحد کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے، فخر و غرور کے جذبات کو پیدا ہونے نہیں دیتا، اس کی عضویت اس زہر کو قبول کرنے کی صلاحیت یا استعداد ہی نہیں رکھتی

اب توحید فی الربوبیت کے قیام کے آثار پر غور کرو، جب تم نے فاعل حقیقی حق تعالیٰ کو مان لیا، لاحول ولا قوة الا باللہ کے قائل ہو گئے، نافع وضار فی الحقیقت اسی کو سمجھنے لگے، تو خوف و حزن سے تم نے رستگاری حاصل کی غیر کو نافع وضار قرار دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تم کو اس سے نفع پہونچنے کی اُمید ہوتی ہے، اور اس اُمید کی شکست حزن وغم کو ضروری طور پر پیدا کرتی ہے، اس سے ضرر کا اندیشہ تمھارے سینہ کو خوف سے بھر دیتا ہے، جونہی تم نے وہم کے اس بت کو توڑا، اور حق تعالےٰ کی اس تنبیہ کو یاد کیا، کہ

ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظالمین (پ ع ۱۶)	اللہ کے سوا کسی کو مت پکار ایسے کو نہ بھلا کرے تیرا اور نہ بُرا، پھر اگر تو ایسا کرے تو تو ہو جائیگا ظالموں میں،

غیر اللہ کی ربوبیت تمھارے قلب سے فنا ہو گئی، نفع کی اُمید، ضرر کا خوف تمھارے سینہ سے جاتا رہا، اور حزن و خوف سے تم نے ہمیشہ کے لیے نجات پالی،

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیہم ولا ہم یحزنون! (پ ۲۶ ع ۲)	مقرر جنھوں نے کہا کہ رب ہمارا اللہ ہے، پھر ثابت قدم رہے، تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے،

ربوبیت پر جہاں تم نے استقامت پیدا کرلی کہ دنیا اور زندگی کے متعلق تمھارا سارا نقطہ، نظر بدل گیا، نقطہ نظر کا بدلنا تھا کہ زمین و آسمان بدل گئے، ؎

چون برخیزد خیال از چشم احول ‏ زمین و آسمان گردد مبدل

ایک وہم تھا خیال تھا، جس نے تمھیں خوف و حزن کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا، اب تم نے اس خیال کی تصحیح کی، ذہنی صحت تمھیں حاصل ہوئی، نور کی طرف تم نے اپنا منہ کرلیا، اور تمھاری روح اپنے خالق و حاکم کو

مخاطب کرکے چیخ اُٹھی،

اللّٰھُمَّ اسلمتُ نفسی الیك ووجھت وجھی الیك وفوضت امری الیك والجاتُ ظھری الیك رغبۃً ورھبۃً الیك لاملجاء ولامنجاء منك الا الیك[1]	اور میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی اپنا منہ تیری طرف کیا، اپنے کام تیرے حوالہ کیے اپنی پیٹھ تیرے سامنے جھکائی، تیرے فضل کی اُمید میں اور تیری ناراضی سے ڈر کر، میری پناہ اور نجات کا مرکز تو ہی ہے"!

اس اقرار ربوبیت کے ساتھ ہی، تم نے اپنے قلب میں طمانیت و راحت محسوس کی، اعتماد و یقین نے خفتہ قوتوں کو جگایا، سارا عالم تمھیں نفع وضرر سے خالی، تمھارے ساتھ تعاون عمل کے لیے تیار، تمھارا رفیق وخادم نظر آنے لگا! زندگی کے راستہ میں تمھارے قدم بے باک انداز میں اُٹھنے لگے، تمھارا سینہ کینہ سے پاک ہوگیا، کیونکہ تمھارا یہ وہم دور ہوگیا، کہ سوائے حق تعالےٰ کے ضرر اور نقصان پہونچانے والا درحقیقت دوسرا کوئی ہوسکتا ہے، حواس کی آنکھ جس کو دشمن بیرحم دیکھ رہی تھی، ایمان کی آنکھ اس کو حق تعالےٰ کا فرستادہ بتلا رہی ہے، اور سعدیؒ کے پُر اثر الفاظ میں کہہ رہی ہے

چوں دُشمن بے رحم فرستادۂ اوست بہ عہدم اگر نہ دارم ایں دُشمن دوست

اسی وقت غیظ وغضب سے بھی تمھارا نفس پاک ہوگیا، دوست پر غضب کیسا؟ اس یقین کے بعد کہ ہر آفت ہر مصیبت سیرت کے کسی نقص کو رفع کرنے آتی ہے معلم حقیقی کی طرف سے ایک تنبیہ ہے، جو ہمیں اپنے نقائص و ذمائم کی طرف متوجہ کرتی ہے، ان کی اصلاح کا موقع دیتی ہے، ہم کو ظلمت سے نکالتی اور نور کی طرف ہمارا رُخ پھیر دیتی ہے، حق تعالیٰ سے جوڑتی اور نفس وشیطان سے توڑتی ہے، ہاں پھر اس یقین واذعان کے بعد ہمارا سینہ غیظ وغضب کا محل کیسے بن سکتا ہے!

ریا جو خلق کے لیے اپنے اعمال کی نزئین ہے، اسی وقت ممکن ہے جب خلق کو نافع وضار سمجھا جائے، خلق سے توقعات وابستہ ہوں، یا ضرر کا اندیشہ ہو، اس وہم کے دور ہوجانے کے ساتھ ہی ریاکاری اور تصنع ونمائش کی جڑیں کٹجاتی ہیں، عمل صرف حق تعالےٰ ہی کیلیے جاری ہوجاتا ہے خور وقصور کیلیے نہیں رہتا، کیونکہ یہ بھی مخلوق ہیں، اور مخلوق سے نہ راحت ہے اور نہ سرور وعزت اور نہ یہ مقصود بالذات!

کذب یا دروغ بافی کا محرک یا تو نفع کا حصول ہوتا ہے، یا ضرر کے دفع کا خیال، یا پھر خود بینی وخود ستائی، کبر وفخر عُجب وریا ہم نے اوپر دیکھا کہ ربوبیت حق ان صفات ذمیمہ کا استیصال کس خوبی سے کرسکتی ہے، اسی لیے موحد کا قلب

[1] یہ اس حدیث کے الفاظ ہیں جو صحاح ستہ میں موجود ہے رواہ الجماعۃ عن البراء بن عازبؓ رسول اللہ صلعم سوتے وقت آخری چیز یہ پڑھتے تھے،

صداقت کا خزینہ ہوتا ہی، وہ وعدوں کا پکّا، قول کا سچّا ہوتا ہی "والموفون بعھدھم اذا عاھدوا"[۱] کا مصداق،

اسی طرح غیبت شرک فی الربوبیت کا نتیجہ ہی، غیبت کی وجہ یا تو عداوت ہوتی ہی جس کا محرک نقصان وضرر کا اندیشہ ہوتا ہی، یا حسد یا محض کذب سے حاصل ہونے والی شیطانی لذت، ربوبیت کا صحیح علم اور اُس پر یقین ان تمام ذمائم کی بے خطا دوا ہی، جیسا کہ ہم نے اوپر ثابت کیا، غیر اللہ کو حقیقی نافع وضار قرار دے کر عداوت وبغض وحسد میں مبتلا ہوں، اور غیبت نتیجہ کے طور پہ پیدا ہوتی ہی، خود افریدہ التباس کو صحت علمی نے دفع کر دیا اور ان ذمایم کی گرفت سے قلب کو نجات ملی!

غرض تزکیہ نفس وتصفیۂ قلب یعنی سیرت سازی کے لیے سب سے پہلے شرک فی المعبودیت اور شرک فی الربوبیت کی بیخ کنی ضروری ہی، لا کی شمشیر سے مالکیت حاکمیت اور ربوبیت ذوات خلق سے کاٹ دی جاتی ہی، اور الّا سے اس کا اثبات ذاتِ حق میں کیا جاتا ہی، اور اس طرح اخلاقِ الٰہیہ سے آراستہ ہونے کی قابلیت اور استعداد پیدا کی جاتی ہی، اب مجاہدہ اور عمل اس مقصود کے حصول کیلیے ضروری ہیں، اس کی توضیح میں چند مقامات کا پیش نظر رہنا لازمی ہی۔

ابتدا میں ہم نے یہ دعویٰ کیا ہی کہ علم ہی سے عمل پیدا ہوتا ہی، لیکن علم سے مُراد محض نظری علم نہیں لینا چاہیے، جو کانوں کی راہ سے داخل ہوتا ہی لیکن قلب میں جاگزیں نہیں ہوتا، اس لیے عمل کی صورت میں نمایاں ہونے کی قوت نہیں رکھتا اور اس لیے منفعت بخش نہیں[۲] ہوتا، علم سے ہماری مُراد وہ یقین واذعان ہی جو قلب کی گہرائیوں میں اپنا مسکن بناتا ہی، خون کی طرح تمام رگوں میں دوڑتا ہی، دماغ پر کامل تسلط رکھتا ہی، اور لازمًا عمل کی صورت میں نمودار ہوتا ہی ایسا یقین تفکر وتدبر یا مراقبہ سے پیدا ہوتا ہی اسی لیے تفکر کو عبادت سے افضل قرار[۳] دیا گیا ہی تفکر ومراقبہ سے علم راسخ ہوتا ہی، مضبوط ہوتا ہی، تلوین جاتی ہی، تمکین رونما ہوتی ہی اور راسخ عقیدہ ہی عملًا اپنا خارج میں ظہور کرتا ہی، جب عمل کی تکرار ہوتی ہی تو عادت پیدا ہو جاتی ہی جو فطرت ثانیہ کہلاتی ہی، اب عمل کے لیے فکر وغور کی ضرورت باقی نہیں رہتی غیر شعوری نفس عمل کی باگ اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہی، مضائقت رفع ہو جاتی ہی، سہولت پیدا ہو جاتی ہی، سیرت قایم ہو جاتی ہی، اسی لیے کہا گیا ہی، ع

چند روز جہد کن باقی بخند

---

۱ پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں،

۲ ایسے علم سے استعاذہ کیا گیا ہی، اعوذ باللہ من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع

۳ تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سبعین سنۃ، الدیلمی وابو الشیخ من حدیث ابی ھریرہ

۴ قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنی وفرادی ثم تتفکروا (۲۰۲) سے تفکر کا حکم صاف طور پر سمجھ میں آتا ہی۔

اب ہمیں سیرت سازی کے دوسرے اہم عنصر مجاہدہ یا عمل و عادت کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

(۲) مجاہدہ:۔ پاک سیرت جس طرح بغیر صحیح علم اور عقیدے کے ممکن نہیں، اسی طرح بغیر عمل صالح اور مجاہدے کے اس کی تمام خوبیوں کا نمایاں ہونا بھی ممکن نہیں، اسی لیے فرمایا گیا، جَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ [۵۱] اور صحیح عقیدہ مجاہد ہی کی چشم بصیرت افروز کے سامنے نیکیوں کی تمام راہیں کھول دی جاتی ہیں، وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [۵۲]، اب ہمیں مجاہدہ کی ماہیت اور اس کے طریقوں کو سمجھ لینا چاہیے،

ذرا اپنے ذہن کے نہاں خانہ کو تو دیکھو کہ کیا یہ ایک لحظہ خیالات، تصورات، خواطر اور وساوس سے خالی بھی رہتا ہے؟ علم کا ایک دریا ہے کہ اُمڈا چلا آرہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک لامتناہی مبدا سے نکل رہا ہے اس کی ماہیت و نوعیت پر غور کرو تو ظاہر ہوتا ہے کہ اخلاقی نقطۂ نظر سے یہ یا تو ہدایتی علم ہے یا اضلالی اس کی آمد کسی طریقہ سے روکی نہیں جا سکتی، کونسی قوت اس کو روک سکتی ہے؟ کسی خیال کو محض ارادہ کی قوت سے پیدا نہ ہونے دینا بشری طاقت سے باہر ہے، خیالات آزادی کے ساتھ ایک نامعلوم منبع سے ظہور کرتے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان نہ ان کے پیدا کرنے پر قادر ہے اور نہ اُن کے فنا کرنے پر! لیکن انسان کو اتنی طاقت دی گئی ہے کہ اپنی توجہ اضلالی علم کی طرف سے ہٹا کر ہدایتی علم کی طرف مبذول کر دے یا نفسیاتی اصطلاح میں یوں کہو کہ سلبی خیالات کو ایجابی خیالات میں بدل دے، یہی مجاہدہ کی ماہیت ہے، ذہن میں سلبی یا اضلالی خیال غیر اختیاری و اضطراری طور پر پیدا ہو رہا ہے، اب یہ میرے اختیار میں ہے کہ میں اس خیال کو گلے سے لگاؤں، پیار کروں، قلب کے میدان میں تخت بچھا دوں اور اس کو معزز مہمان کی طرح عزت و وقار سے بٹھا دوں یا یہ کہ اس کے ذہن کے دروازہ سے سر نکالتے ہی اس کے مقابل ہدایتی یا ایجابی خیال کو اس کی سرکوبی کے لیے لے آؤں، اور نور کی قوت کو ظلمت کی طاقت سے لڑا دوں، ظاہر ہے کہ نور و ظلمت کے مقابلہ میں نور ہی کامیاب ہوگا، کیونکہ ظلمت نور ہی کے غیاب کا تو نام ہے، نور ہی کے عدم سے ظلمت پیدا ہوتی ہے، جہاں نور ہو وہاں ظلمت کیسے چھا سکتی ہے! مجاہدہ حق تعالیٰ ہی کی حول و قوت سے ضلالی علم کے بجائے ہدایتی علم پر عمل کرنے کا نام ہے، ضلالی خیالات کے ذہن میں ظہور کرتے ہی مجاہد کی روح "خیر کے مبدا" کی طرف استعانت کے لیے متوجہ ہو جاتی ہے، استعاذہ کرتی ہے، پناہ مانگتی ہے، اپنی محدود قوت پر بھروسہ نہیں کرتی، اپنی بیچارگی سے واقف ہوتی ہے، لامتناہی قوت کے آستان پر تیزی کے ساتھ پہونچ جاتی ہے، اور چیخ اُٹھتی ہے۔

---

۵۱ مجاہدہ کرو اللہ کے واسطے جیسا کہ چاہیے اس کے واسطے مجاہدہ کرنا (پ ۱۷ ع ۱۰)

۵۲ جنھوں نے ہمارے واسطے مجاہدہ کیا ہم ان کو اپنی راہیں سجھا دیں گے (پ ۲۱ ع ۳)

"سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ والجبروت سبحان الحیّ الذی لا یموت اعوذ بعفوک من عقابک واعوذ برضاک من سخطک واعوذ بک منک جل وجہک[1]"

اور یہ لامتناہی عزت وجبروت، یہ لامحدود ملک وملکوت والا آقا ہم سے دور نہیں، وہ جو بالذات ہر جہان میں موجود ہر جگہ "ہمارے پاس ہی تو ہے، رگِ جان سے زیادہ قریب ہے" بماز نزدیک تر! وہ الغیاث کی اس پکار پر شانِ رحمت کے ساتھ متوجہ ہو جاتا ہے، اور اس کی تجلی کے ساتھ ہی قلب کے ضرر و اضلال سے پوری حفاظت ہو جاتی ہے یا نفسیاتی اصطلاح میں یوں کہو سلبی خیال کی جگہ ایجابی خیال لے لیتا ہے، اور شر کا صدور ہی نہیں ہونے پاتا!

نفسیات کے اس مسلمہ قانون کو یاد کرو، جس پر اس مقالہ کی بنیاد قایم ہے، کہ افکار ہی سے اعمال کا صدور ہوتا ہے اعمال ہی کی تکرار سے عادت کا قیام ممکن ہے، اور عادات کی تنظیم و ترتیب سے سیرت کی تشکیل ہوتی ہے، مجاہدہ سلبی یا بدیا مہلک خیالات کا گویا دروازہ ہی پر مقابلہ ہے، جونہی ان خیالات نے کتم عدم سے سر نکالا، ان کے مقابل کے ایجابی یا نیک یا ہدایتی خیالات نے اُن سے ٹکر لی، اپنی محدود و کمزور قوت سے ان کا مقابلہ نہیں کیا، بلکہ لامتناہی قوت و جبروت کے مبداء سے اخذ فیض کیا اور اس طرح بے پناہ طاقت کے ساتھ ان پر ضرب لگا دی، اور ان کا قلع قمع کر دیا، جب عمل ہی کا صدور اس طرح روک دیا گیا، اور ابتدا ہی میں روک دیا گیا، تو تکرار کی نوبت ہی کہاں، عادت کا قیام کس طرح ممکن، اور سیرت بد کی تشکیل کا کیا ذکر! یاد رکھو کہ فاسد خیالات کو قوت اُس وقت ملتی ہے جب وہ تخیل کے دروازہ سے خانۂ قلب میں داخل ہو جاتے ہیں، اور یہ داخل اسی وقت ہو سکتے ہیں، جب دربانِ قلب غفلت کی نیند سو رہا ہو، چوکس نہ ہو، ہوشیار اور خبردار نہ ہو، یا پھر اپنی حول و قوت سے ان کا مقابلہ کرنا چاہے! اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زور مرد افگن ہے، ان سے مقابلہ بچوں کا کھیل نہیں، یہ بڑے سے بڑے پہلوان کو آسانی سے پچھاڑ سکتے ہیں، ان کے داؤں پیچ سے بہادر سے بہادر بھی پناہ مانگتے ہیں ان سے مقابلہ کی ایک ہی صورت ہے، ان کے ورود کے وقت ہی انھیں پچھاڑ اجائے، سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے، اور حق تعالےٰ کی حول و قوت سے ان کا سامنا جائے، اَللّٰھُمَّ اعذنی من شر نفسی[2] کی فریاد فوراً بلند ہو اعوذ بک منک کی چیخ فوراً نکلے، پھر شکست ناممکن ہے، کامیابی قطعی ہے، حق تعالےٰ کی پناہ میں آکر مغلوبیت کیا معنی رکھتی ہے، ناکامی کیا چیز ہے، ان کی معیت کے ساتھ ہی، بلندی نصیب ہوتی ہے، انتم الاعلون واللہ معکم[3] کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے!

---

[1] یہ اس حدیث کے الفاظ ہیں، جس کو حاکم نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے، [2] اے اللہ میرے نفس کے شر سے مجھکو پناہ دے،

[3] تم ہی رہوگے غالب اور اللہ تمھارے ساتھ ہیں (۲۶ ع ۸)

یہی نفسیاتی الہیاتی طریقہ بدعادات کی شکست میں بھی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہی، بدعادت سے مُراد کوئی عادت ہو جو ہمارے اختیار و تصرف میں نہیں، بدعادت کی غلامی تباہ کن نتائج پیدا کرتی ہی، بدعادت کا غلام دُنیا میں نہ کامیاب ہو سکتا ہی اور نہ بردلعزیزی اس کو نصیب ہوسکتی ہی، چونکہ افعال ہی کی تکرار سے عادت بنتی ہی اور افعال کا محرک ہمیشہ خیال یا تصور ہوتا ہی لہذا بدعادت کی شکست خیال کی تبدیلی پر منحصر ہی، عادت کے قایم ہو جانے پر فعل کے ارتکاب کی ایک طبعی خواہش ہوتی ہی لیکن ساتھ ہی اس خواہش کی تکمیل کا خیال پیدا ہوتا ہی، ممکن ہو کہ خواہش پر ہمارا قابو نہ ہو لیکن خیال ہمارے تصرف میں آسکتا ہو، اگر خیال کا صحیح طریقہ سے مقابلہ کرلیا جائے، تو خواہش بھی مغلوب ہو جاتی ہی، مثال کے طور پر شرابی کی حالت پر غور کرو، اس کو شراب کی خواہش ہوتی ہی، اور یہ خواہش یہ خیال پیدا کرتی ہی کہ چل کر پینا چاہیئے، خیال کا کامیابی سے مقابلہ کرنے پر خواہش کے اشتداد میں کمی ہوتی جاتی ہی، ایک مرتبہ کا مقابلہ دوسری دفعہ کے مقابلہ کو آسان تر بناتا ہی، اور مجموعی نتیجہ حیرت خیز ہوتا ہی، یہی معنی ہیں اس قول کے کہ "خدا اُن لوگوں کی مدد کرتا ہی جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں"۔

بہر طور بُری عادتوں کے آہنی پنجہ سے رہائی اسی وقت ممکن ہو کہ خیال کے پیدا ہوتے ہی اس کا مقابلہ کیا جائے اور اسی طریقہ سے مقابلہ کیا جائے جس کا اوپر ذکر ہوا، اگر اس کے باوجود ہمیں ناکامی کی صورت دیکھنی پڑے تو ہمیں مایوس اور نا اُمید نہیں ہونا چاہیے، مجاہد کے نزدیک یاس کفر ہی، گناہ کے ارتکاب کے بعد یا عادت بد کا پھر ایک مرتبہ (باوجود عزم راسخ کے کہ ایسا نہ ہوگا) شکار بننے کے بعد، جو ندامت اس کے دل میں پیدا ہوتی ہی، جو حزن و ملال کہ وہ محسوس کرتا ہی، وہ اس کے ارادوں کو مضبوط کرنے میں غیر محسوس طریقہ پر مفید ہوتے ہیں، اور وہ وقت بہت جلد آپہونچتا ہے جب وہ محض اسی طریقہ پر عمل پیرا ہو کر فاتحانہ شان سے اپنی خود ساختہ بیڑیوں کو توڑ کر ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتا ہے!

عارف رومی نے مجاہدہ کے اس اعتبار کو اپنے خاص انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ہی:

اندریں رہ می تراش و می خراش — تا دم آخر دمے فارغ مباش

تا دم آخر دمے آخر بود — کہ عنایت با تو صاحب سر بود

دوست دارد دوست ایں آشفتگی — کوشش بیہودہ بہ از خفتگی!

کار کے کن تو و کاہل مباش — اندک اندک خاک چہ را می تراش

چوں نچاہے می کنی ہر روز خاک — عاقبت اندر رسی در آب پاک

چوں نشینی بر سر کوئے کسے — عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

بہر حال مجاہد ہمت سے کام لیتا ہے، حق تعالےٰ نے اس کو جو اختیار دے رکھا ہے، اس کو استعمال کرتا ہے، اور عزم راسخ رکھتا ہے کہ جب تک گوہر مقصود ہاتھ نہ آئے قلب کا تزکیہ روح کا تجلیہ نہ ہو جائے وہ دم نہ لے گا، اور حق مجاہدہ ادا کرے گا، ولولہ انگیز طریقہ سے ہر قدم پر وہ یہ گنگناتا جاتا ہے:-

دست از طلب ندارم تا کارمن برآید

یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

کامیابی و فتحمندی اس مجاہد کے ہاتھ چومتی ہے، کان حقاً علینا نصر المومنین کا وعدہ اس سے متعلق ہوتا ہے! ہدایت کے راستے کھل جاتے ہیں لنھدینھم سبلنا کا قول پورا ہوتا ہے،

مجاہدہ بیوی بچوں کا چھوڑنا، راتوں میں کم سونا، فاقہ پر فاقہ کرنا، حقوق نفس کو تلف کرنے کا نام نہیں، مجاہدہ "حقوق نفس" کا ادا اور غیر شرعی "حظوظ نفس" کا ترک کرنا ہے، مجاہدہ قلب کا تصفیہ ہے، روح کا تجلیہ ہے، اس کا بہترین طریقہ خیالات فاسدہ کا دماغ سے تخلیہ ہے جو شخص اپنے قلب و دماغ میں فاسد خیالات کے بجائے پاک خیالات کو، سلبی افکار کے بجائے ایجابی افکار کو جگہ دیتا ہے، وہ اعمال سیئہ کا دروازہ بند کر دیتا ہے، اس کے لیے امتثال امور، اجتناب محظور اور رضا بقدر آسان ہو جاتے ہیں، جو عارف اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے الفاظ میں دین کا خلاصہ ہیں[1]!

ایجابی خیالات میں سب سے زیادہ ایجابی خیال حق تعالےٰ کا خیال ہے، جو سرچشمہ ہے تمام محامد و محاسن کا، تمام خوبیوں اور نیکیوں کا جو مبدء ہے طمانیت و سرور کا، علو و بلندی کا، قوت و عزت کا، اگر تم اپنے قلب کو تمام سلبی خیالات سے خالی کر کے حق تعالےٰ کے خیال کو اس میں جمانے کی کوشش کرو گے تو چند روز میں پاؤ گے کہ یہ تمام صفات مقید پیمانہ میں تم میں خود ظاہر ہو رہی ہیں، نفسیات کا یہ عام قانون ہے کہ آدمی جس چیز کے خیال اور دُھن میں رہتا ہے، رفتہ رفتہ اسی کی خو بو اس میں پیدا ہونے لگتی ہے، یا نفسیاتی زبان میں یوں کہو کہ اس کا جو معروض فکر ہوتا ہے وہی وہ بھی بن جاتا ہے! اس قانون کو جان کر اور مان کر تم ہرگز سلبی خیالات پر فکر و توجہ کو زیادہ مرکوز نہ کرو گے، ایجابی خیالات ہی کو جمانے اور بسانے کی کوشش کرو گے، اب ہم عارف روم کے الفاظ میں پوچھتے ہیں، کہ حق تعالےٰ سے بہتر کوئی اور چیز ہو سکتی ہے جس سے تم ایک لحظہ کے لیے حقیقی معنی میں خوش رہ سکتے ہو،

کیست نو و بہتر بگو اے ہیچ کس   تابداں دل شاد باشی یک نفس؟

اگر تمھیں چشم بصیرت ملی ہے، اور تم عارف روم کے ساتھ اتفاق کرتے ہو تو پھر حق تعالیٰ کی دھن سے بہتر اور کسی کی دُھن

[1] فتوح الغیب مقالہ اول

ہوسکتی ہو؟ اب دن کا زیادہ حصہ اسی دھن میں گزارو، گفتار کو چھوڑ کر اسی کار بزرگ میں لگ جاؤ، رفتہ رفتہ جامیؔ کی نے جو کہا تھا، اس کا تم کو تحقق ہونے لگے گا ۔

گر در دل تو گل گزرد گل باشی　　　ور بلبلِ بے قرار بلبل باشی

تو جزوی و حق کل است گر روزے چند　　　اندیشۂ کل پیشہ کنی کل باشی

جو چیز تم کو خود تجربہ سے معلوم ہو جائے گی اس کا ذکر ہم کیا کریں، لیکن تحریض کے لیے اتنا کہنا کافی ہو کہ تم پر سرور اور فرح کے دروازے کھُل جائیں گے، "اطمینانِ قلب" جو دُنیا کی کسی چیز سے حاصل نہیں ہو سکتا، وہ نقد دم ہوگا، اور اس آیۂ کریمہ کا اپنی ذات کو مصداق پاؤ گے :-

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ ۝ فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی، (پ ۳۰ ع ۱۴)

اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا، پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں۔

نفس مطمئنہ کا حصول، رضائے الٰہی کا تحقق، جنت ذات میں دخول، یہ نتائج ہیں اس مجاہدہ کی تکمیل کے!

جو لذت کہ حق تعالےٰ کی یاد میں ہی جو مستی اس کی یافت و شہود سے حاصل ہوتی ہی، اس کے مقابلہ میں "لذاتِ جہان" ہیچ ہیں، جامیؔ اس ذوق و مستی کو اس والہانہ انداز سے ادا فرماتے ہیں :-

کاے بلبلِ جان مست بیادِ تو مرا　　　وے پایۂ غم پست بیادِ تو مرا

لذاتِ جہاں را ہمہ در پا فگند　　　ذوقیکہ دہد دست بیادِ تو مرا

حق تعالیٰ کی یاد کا ایک طریقہ تو یہ ہو کہ اس کا ذکر زبان پر جاری ہو، فاذکروا اللہ ذکراً کثیراً پر عمل ہو، اٹھتے بیٹھتے یہی مشغلہ ہو، اس سے مقصود رضا و قرب الٰہی ہو، جب تمھاری توجہ ذکر کی وجہ سے خرافاتِ دنیوی سے ہٹ کر ایک نکتہ پر مرکوز ہو گی، تو خود بخود فاسد، سلبی پریشان کن خیالات اور وساوس کا دروازہ بند ہو جائے گا، اور جونہی خیالات کی یہ پراگندگی موقوف ہوئی، ایک روحانی کیف و طمانیت سے تمھارا قلب مملو ہو جائے گا، الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کے یہی معنی ہیں، ذکر کا قیام مشق اور مجاہدہ سے آہستہ آہستہ ہوتا جاتا ہی، اور ذہول و غفلت کا ارتفاع ہو جاتا ہی، اس دولت کے حاصل ہو جانے کے بعد تم تمام چیزوں سے غنی ہو جاتے ہو، نہ کسی چیز کے حصول سے تمھیں لذت ہوتی ہی، اور نہ کسی چیز کے ضائع ہونے سے رنج! لکیلا تاسوا علیٰ ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم کے مصداق ہونے لگتے ہو، اللہ کو رکھ کر تمھیں کسی چیز کی خواہش نہیں رہتی، تم عارفِ رومؔ کے الفاظ میں

کہنے لگتے ہوے

روزہا گر رفت گو رو باک نیست　　تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

یاد کے قائم کرنے کا ایک اور آسان گر ہم تمھیں بتلاتے ہیں، یہ تو تم مانتے ہو کہ ہر شی کے خالق حق تعالےٰ ہیں، ہر شی ان کی مخلوق ہی، ہمارا رات دن سابقہ ان ہی اشیا سے ہوتا ہی ہمارے دل اور دماغ میں بسی ہوئی ہیں ان ہی کی محبت سے ہمارے قلوب بھرے ہوے ہیں! چونکہ یہ فانی اور گریزپا ہیں، ان کا زوال اور ان کی فناپذیری ہمارے غم وحزن کا باعث ہوتی ہی، اب قانون ائتلافِ ذہنی کی رو سے یہ ممکن ہی کہ مخلوق کو دیکھ کر خالق کی طرف ذہن منتقل ہوجائے، تم یہی کوشش کرتے رہو کہ شی کو دیکھ کر تمھارا خیال شی کے خالق کی طرف جائے، اس طرح تمھیں ہر طرف حق تعالےٰ ہی کا جلوہ نظر آئے گا، اور اینما تولوا فثم وجہ اللہ کے معنی کا ابتدائی فہم حاصل ہونے لگے گا شی کی سلبی جہت سے توجہ ہٹ کر جہتِ حق کی طرف مرکوز ہوجائے گی، اور اس طرح یاد قایم ہونے لگے گی، تمھارا معروضِ فکر اب شی نہیں حق ہوگا اور ان تمام انوار سے تمھارا قلب معمور ہونے لگے گا، جو وجہ اللہ کی طرف رُخ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں،

اس طریقے سے تمھیں بہت جلد معلوم ہوجائے گا کہ سعادت و مسرت کا سرچشمہ خود ہمارا قلب ہی، حق تعالےٰ کا جلوہ گاہ خود ہمارا قلب ہی، آفاق میں حق تعالےٰ ظاہر ہیں، ہر شی کے ساتھ جہتِ حق موجود ہی، صحیح علم کے استعمال سے وہم اور التباس دور ہوا اور نظر کی اصلاح ہوئی، نقطۂ نظر بدلا، معلوم ہوا کہ انفس و آفاق میں حق تعالےٰ نہاں وعیاں ہیں، انہی سے تعلق قایم کرنا، انہی کی یاد کا جمانا تمام مسرتوں اور سعادتوں کا حاصل کرنا ہی، ان سے غفلت اور ذہول اور خلق میں استغراق اور فنائیت تمام بلاؤں اور آفتوں میں گرفتار ہونا ہی، مَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِکْرِ رَبِّہٖ یَسْلُکْہُ عَذَاباً صَعَداً، جو کوئی اپنے رب کی یاد سے منہ موڑتا ہی چڑھتے عذاب میں ڈال دیا جاتا ہی، (پ ۲۹ ع ۱۱) اسی مفہوم کو رومی کے دل نشین الفاظ میں یاد رکھو:

گر گریزی بر امید راحتے　　ہم ازانجا پیشت آید آفتے

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست　　جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

حق تعالےٰ کو چھوڑ کر خلق میں محویت، خواہ بظاہر وہ کیسی ہی دلفریب اور دلکش نظر کیوں نہ آئے نور کو چھوڑ کر ظلمت میں گرفتار رہنا ہی، اور ظلمت سے ضیق، غم وحزن وخوف کے سوا اور کیا حاصل ہوتا ہی! ظلمت میں چیزیں اپنے صحیح خد وخال میں کہاں نظر آتی ہیں! کسی شی کا حسن وجمال تاریکی میں دکھائی دے گا؟ پھر تمھاری نظر میں اشیا کی دلفریبی تمھارے نفس کا دھوکا ہی، التباس ہی، تمھارا واہمہ ہی تو خلاق ہی، کیسی کیسی دلربا صورتیں یہ تمھاری خوشی کیلیے

پیدا کرتا ہے! ان سے تمھیں ابھی لذت حاصل ہوتی ہے، تھوڑی ہی دیر بعد غم کا سایہ تمھارے قلب پر چھا جاتا ہے! ابھی اطمینان ہوتا ہے، ذرا دیر بعد خوف کا زبردست حملہ ہوتا ہے، اور تم کانپ اٹھتے ہو! تمھاری طبیعت میں استقلال نہیں استحکام نہیں، تمھاری کوئی پناہ گاہ نہیں! اگر تم اپنی غفلت سے جاگ اٹھو، اگر تمھاری چشم بصیرت کھل جائے اور نور اور صداقت کی دنیا نظر آنے لگے تو تمھیں اشیاء ویسی ہی دکھائی دینے لگیں گی، جیسی کہ وہ ہیں، اب تم کو حیات طیبہ نصیب ہوگی، طمانیت و برد قلبی حاصل ہوگی، خوف و حزن زائل ہو جائے گا، استقلال و استحکام عطا ہوگا، اور حق تعالیٰ کے اس وعدے کا ایفا ہوگا

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ	جس نے نیک کام کیا، مرد ہو یا عورت اور وہ
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً	ایمان پر ہو، تو ہم اس کو زندگی دیں گے ایک
(پ ۱۴ ع ۱۹)	اچھی زندگی،

یادِ حق کو قائم کرنے تمہارا رُخ ظلمت سے نور کی طرف پھیرنے، مجاہدہ کے راستہ کو آسان کرنے، خلق سے توڑنے اور حق سے جوڑنے میں نیکوں کی صحبت عجیب و غریب اثر رکھتی ہے، صحبت کا اثر نفسیات کا ایک مسلمہ اصول ہے[1]، ہر فرد میں بے سوچے سمجھے ہر قسم کے تقاضا کو قبول کرنے کی استعداد یا صلاحیت پائی جاتی ہے، جب یہ تقاضا یا خود اپنے ذہن کے اندر سے وصول ہوتے ہیں تو اس کو جدید نفسیات کی اصطلاح میں "خود ایعازی" (Auto-Suggestion) کہا جاتا ہے، اور جب کسی خارجی ذریعہ سے حاصل ہوں تو غیر ایعازی (Hetero-Suggestion) کہا جاتا ہے، رات دن ہم خود ایعازی اور غیر ایعازی کے اثر کے تحت خیالات کو قبول کر رہے ہیں، اور اگر ہم خود ذہن بنا رہے ہیں اگر سلبی یا اضلالی افکار غیر ایعازی قوت کی وجہ سے ہمارے قلب میں جگہ پا رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بری صحبت میں ہیں اور ان کے تقلبات و افعال کی نقل کر رہے ہیں اور غیر اختیاری طور پر اُن سے متاثر ہو رہے ہیں، ان کے سمی اثرات سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم صحبت ناجنس سے قطعی احتراز کریں ؎

زاحمقان بگریز چون عیسیٰ گریخت صحبتِ احمق بسے خونہا بریخت

سلبی اثرات سے اس طرح بچ کر ایجابی اور ہدایتی علم کے لیے نیکوں کی صحبت کی تلاش کرنی چاہیے، اہل اللہ کی زبان سے حاصل کیا ہوا علم اپنے اندر خاص اثر و قوت رکھتا ہے، وہ قلب کی گہرائیوں تک پہونچ جاتا ہے یقین و اذعان

---

[1] ومثل جليس الصالح كمثل صاحب المسك ان لم يصبك منه شئ اصابك من ريحه ومثل جليس السوء كمثل صاحب الكير ان لم يصبك من سواده اصابك من دخانه (ابوداؤد و نسائی عن انس رضی اللہ عنہ) نیک ہم نشین کی مثال مشک والے کی سی ہے، اگر تجھے اس سے کچھ نہ ملا تو خوشبو تو ضرور پہنچے گی، اور برے ہم نشین کی مثال لوہار کی بھٹی یا بھٹے کی سی ہے، اگر تجھ کو اس کی سیاہی نہ لگے، تو دھواں تو ضرور پہنچے گا۔

کی شکل اختیار کر لیتا ہے، علمِ حق کو شیخ اکبر محی الدین عربیؒ نے "علم اذواق" قرار دیا ہے، اور فرماتے ہیں کہ علم الحق علم الاذواق لا عن الاوراق وھو العلم الصحیح وما عداہ تخمین و تخمین لیس العلم اصلاً، یعنی علم حق ذوق و وجدان سے حاصل شدہ علم ہے محض کتابوں سے حاصل کردہ نہیں، اور یہی علم صحیح ہے، باقی اٹکل پچو ظن علم نہیں ہے، شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ اہل اللہ کا علم قیاسی نہیں، مبدء نبوت سے اخذ کردہ ہے، قطعی یقینی ہے، حقیقی واقعی ہے، اس کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حق تعالیٰ خود ان کے معلم ہو گئے ہیں، اور اب وہ براہِ راست اسی مبدء سے علم حاصل کرنے لگے ہیں، "اتقوا اللہ ویعلمکم اللہ" اس پر دلیل ہے اسی لیے ایک دوسرے رازداں کی نصیحت ہے کہ خذ العلم بانواہ رجال اللہ لا من الصحائف والدفاتر، مردانِ حق کی زبان سے علم حاصل کرو، کتابوں اور دفتروں سے نہیں، کیونکہ ان کتابوں میں قیاس و تخمین اور ظن و رائے کے سوا کیا رکھا ہے؛ اہل اللہ کی صحبت خاک کو کیمیا کرتی ہے ان کے افعال و اعمال ان کے افکار و خیالات رفتہ رفتہ قلوب کے زنگ کو دھوتے جاتے ہیں، اور تم غیر شعوری طور پر نیکی کی طرف مائل ہوتے جاتے ہو، اور بدی سے مجتنب اور محترز، اور بالآخر ظلمت سے نکل نور کی طرف تمہارا رستہ ہو جاتا ہے، عارف روم نے صحبتِ مردانِ حق کے اثرات کو یوں بیان فرمایا ہے:۔

خواہی کہ درین زمانہ فردے گردی   یا در رہِ دیں صاحب دردے گردی

ایں را بجز از صحبتِ مرداں مطلب   مردے گردی چو گرد مردے گردی

یہ کونوا مع الصادقین کے حکم کے پنہاں فائدوں کی اجمالی توضیح ہے،

سیرت سازی کے قرآنی اصول کی اوپر جو توضیح پیش کی گئی، اس کو اجمالاً ایک دفعہ پھر دوہرا لیجئے اذا تکرر تقرر، تکرار سے چیزیں زیادہ دلنشین ہوتی ہیں، سیرت کی عمارت کا سنگ بنا و یہ لا الہ الا اللہ پر پختہ یقین و اذعان ہے، تمام انبیا کا اپنی قوم کو یہی پیغام تھا کہ یاقوم اعبدوا اللہ مالکم من اللہ غیرہ "اے قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود و رب نہیں" اللہ ہی لائق عبادت ہے، استعانت انہی سے کی جانی چاہیے میرا سر انہی کے سامنے جھک سکتا ہے غیر کے سامنے نہیں! اس بنیادی عقیدہ کا زبان سے اظہار اور قلب سے اقرار ضروری ہے زبان سے بار بار کی تکرار یقین کو پختہ کرتی ہے، جس قدر یقین میں پختگی ہوگی، اسی قدر عمل میں سہولت ہوگی، یقین میں شدت پیدا کرنے کے لیے غور و فکر، تدبر و مراقبہ ضروری ہیں، یقین اس شدت کا پیدا ہو جائے، کہ شک و شبہ کی مطلق گنجایش نہ رہے، تم جانتے ہو کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے تمہارا ہاتھ جل جائے گا، اسی طرح تمہیں توحید فی المعبودیت و توحید فی الربوبیت کا یقین ہو جانا چاہیے، ذلت (جو عبادت کی اصل ہے) حق تعالیٰ ہی کے سامنے اس کا ظہور

ہوسکتا ہی، جو ہمارے مالک ہیں، حاکم ہیں، مولیٰ ہیں، خالق ہیں، رب ہیں، وکیل ونصیر ہیں، حق تعالے ہی نافع وضار ہیں، معز ومذل ہیں، حاجت ومراد سوا ان کے کوئی پوری نہیں کرسکتا، اس لیے انہی کے سامنے دستِ سوال دراز ہوسکتا ہی کسی اور کے سامنے ہرگز نہیں۔ زبان پر یہ دعا جاری رہے اور قلب میں اس کا مفہوم متمکن،

اللّٰھُمَّ کما صُنت وُجُوھنا ان تسجد لغیرک فصن ایدینا ان تمتد بالسؤال لغیرک،

الٰہی جس طرح تونے ہمارے چہروں کو غیر کے آگے سجدہ کرنے سے بچالیا، اسی طرح ہمارے ہاتوں کو اپنے غیر کے آگے سوال کرنے سے بچائے رکھ،

اس عقیدے اور یقین کا شخص اپنے ہم جنسوں کے آگے کیسے خود کو ذلیل کرسکتا ہی، اس کی سیرت غلاموں کی سی کیسے ہوسکتی ہی، وہ نفع وضرر کی توقع غیر اللہ سے کب رکھ سکتا ہی، اور اپنی عزت اس دہی نفع ونقصان کی خاطر کیسے بیچ سکتا ہی؟ مجاہدہ اسی یقین اساسی کو پختہ کرتا ہی، اس کا طریقہ یہ ہی کہ خواطر کی نگہبانی کی جائے، سلبی اور ضلالی علم کو ایجابی وہدایتی علم سے بدلا جائے "قانون تقطیب افکار" LAW OF THE POLARISATION THOUGHTS نفسیات کا ایک مسلمہ قانون ہی، اسی قانون کے استعمال سے ضلالی علم ہدایتی علم میں مستبدل کیا جاسکتا ہی، نہ صرف یہ بلکہ ایجابی خیالات ہدایتی افکار کو ذہن پر ہمیشہ جمانے کی کوشش کرنی چاہیے اور سب سے زیادہ ایجابی خیال حق تعالے کا خیال ہی جب قلب پر چھاجاتا ہو تو قلب تمام ظلمتوں سے پاک ہوجاتا ہی، نورانی ہوجاتا ہے، نور ہوجاتا ہی، اَللّٰھُمَّ اجعل فی نفسی نورا، اللّٰھُمَّ اجعلنی نورا کی دعا قبول ہوجاتی ہی، اس کا نتیجہ سرور وطمانیت ہی، مسرت وسعادت ہی، جو پاک سیرت کی لازمی خصوصیت ہی، نیک سیرت شخص مسرور ومطمئن ہوتا ہی، اس کی جان اس کا تن راحت میں ہوتا ہی، وہ قطرہ نور ہوتا ہی، غم سے فارغ اور دائماً مسرور ہوتا ہی، یہ روحانی مسرت ہی، جو طبعی غم وحزن میں بھی باقی رہ سکتی ہی الا ان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔ الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاخرۃ لا تبدیل لکلمات اللّٰہ ذالک ھو الفوز العظیم، (پ۱۱ ع۱۲) (معارف)

ایک ضروری اطلاع

"الفرقان" کا یہ پرچہ ماہ محرم ۱۳۶۲ھ کا ہی، اس کے بعد صفر وربیع الاول کا پرچہ انشاء اللہ تعالےٰ مشترک شایع ہوگا جو امید ہی کہ ربیع الاول کے آخری ہفتہ میں آپ حضرات کی خدمت میں پہونچ جائیگا اس سے پہلے انتظار نہ فرمایا جائے (منیجر)

مسئلہ علم غیب پر فیصلہ کن مناظرہ

یہ سلانوالی (پنجاب) کے اس معرکۃ الآرا مناظرہ کی مکمل روئداد ہے جو مسئلہ علم غیب پر ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ میں ہوا تھا اس موضوع پر اتنا مکمل مناظرہ نہ اس سے پہلے کہیں ہوا اور نہ غالباً آئندہ ہو۔ اس مناظرہ نے فی الحقیقت اس بحث کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا اہل بدعت کے تمام دلائل کے جوابات اور اہل سنت کے بے شمار لاجواب دلائل آپ اس میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں یہ پورا مناظرہ مجلس مناظرہ ہی میں ایک زود نویس اور مختصر نویس کی خاص کوشش سے قلمبند کر لیا گیا تھا آپ کو اس کے مطالعہ میں مناظرہ ہی کا لطف آئیگا قیمت قسم اول ۸/ رعایتی ۶/ قسم دوم ۴/ رعایتی ۳/

ہدایت ربانی

یعنی

"روئداد مناظرہ گیا"

یہ اس عظیم الشان تحریری و تقریری مناظرہ کی روئداد ہے جو حسام الحرمین کی تکفیری بحث پر اواخر ۱۳۵۲ھ میں صوبہ بہار کے مشہور شہر گیا میں تین دن متواتر ہوا تھا عجیب و غریب تحقیقات پر حاوی ہے صفحات ۵۰ صفحات قیمت ۳/ رعایتی ۲/

مقامع الحدید

اس رسالہ میں تحریک رضاخانیت کی تاریخ اور اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور رضاخانیوں کو ان تمیں اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے جو اکابر علماء دیوبند پر کیے جاتے ہیں نیز رضاخانی مذہب کا عبرت انگیز و دلچسپ فوٹو خود رضاخانی لٹریچر سے پیش کیا گیا ہے۔ یقین ہے کہ آپ نے ہنوز ایسی کتاب ملاحظہ نہ فرمائی ہوگی۔ ضخامت ستر صفحات۔ بہ خط جلی قیمت ۴/ رعایتی ۳/

فتح بریلی کا دلکش نظارہ

یہ مرکز بدعت بریلی کے اس معرکۃ الآرا مناظرہ کی مکمل روئداد ہے جو محرم ۱۳۵۴ھ میں اہل بدعت کے مدرسہ جامعہ رضویہ میں ہوا تھا، بانی مناظرہ نے جو بریلی ہی کے باشندے تھے اہل سنت کے حق میں زبردست فیصلہ دیا ہے وہ بھی آخر میں درج ہے ضخامت مع ضمیمہ ۱۳۶ صفحات قیمت قسم اول ۸/ رعایتی ۶/ قسم دوم ۶/ رعایتی ۴/

تحریری مناظرہ

اس میں آپ کو اہل بدعت کے اکثر مشہور اختلافی مسئلوں پر مدلل بحث ملے گی قیمت ۲/ رعایتی ایک آنہ ۱/

مکتبہ الفرقان کی بعض خاص اصلاحی کتابیں

نماز اور خطبہ کی زبان

نماز و خطبہ کے عربی زبان ہی میں ہونے کے عقلی و نقلی وجوہات اور اس کی سیاسی حکمتیں اس رسالہ میں بیان کی گئی ہیں نئی روشنی کے حضرات بھی اس سے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ قیمت ۲/ رعایتی ۱/

تمدن اسلام کا پیغام بیسویں صدی کے نام

یہ مولانا عبدالماجد دریابادی بی۔ اے ایڈیٹر صدق کا مقالہ ہے جو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی بزم تاریخ و تمدن اسلام کے روبرو پڑھا گیا تھا قیمت ۱/ رعایتی ۱/

اشتراکیت اور مذہب و اخلاق

یہ رسالہ ایک بالغ النظر کمیونسٹ کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے۔ اختصار کے باوجود اشتراکیت کی حقیقت اور اس کی تاریخ سے واقف ہونے کیلئے بالکل کافی ہے قیمت کثرت اشاعت کیلئے صرف ایک آنہ رکھی گئی ہے ۱/

اسلام کا نظریہ سیاسی

اسلام کے سیاسی نظام پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا وہ بصیرت افروز مقالہ ہے جس میں اسلامی سیاست کے بنیادی اصول کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں قیمت ۳/ رعایتی ۲/

اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟

یہ بھی مولانا مودودی ہی کا ایک اہم مقالہ ہے قابل دید ہے قیمت ۳/ رعایتی ۲/

جدید تعلیم اور علماء کرام

اس بہتان کی مدلل تردید کہ علماء نے جدید تعلیم کو حرام قرار دیکر مسلمانوں کو ترقی سے روکا اور تجربات نیز خود جدید تعلیم کے تجربہ کاروں کے بیانات سے اس حقیقت کا روشن ثبوت کہ علماء نے جو پالیسی اب سے ساٹھ سال پہلے اس بارہ میں اختیار کی تھی وہی صحیح تھی۔ قیمت ۵/ رعایتی ۴/

کوائف بمبئی:-

ربیع الاول ۱۳۵۵ھ میں مولوی حشمت علی وغیرہ رضاخانی ٹولی کی نفاق انگیز شورش اور مسلمانان بمبئی کی اصرار استدعا پر مقابلہ کیلئے حضرت مدیر الفرقان کا سفر بمبئی اور اس کے کوائف و حالات قیمت ۲/ رعایتی ۱/

جہنم کی بشارت

قبلہ گاہ بریلی کی طرف سے ایک رسالہ بنام "موت کا پیغام" شائع ہوا تھا یہ اس کا مسکت اور دندان شکن جواب ہے یہ کتاب بھی نہایت تفصیل و تحقیق سے ثابت کرتی ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنے فتوے کے اصول سے خود بھی کافر ٹھیرتے ہیں بالکل لاجواب ہے قیمت تین آنے رعایتی ۲/

وہابی کی پہچان؟

بڑی دلچسپ اور پر لطف کتاب ہے عرصہ سے نایاب ہو چکی تھی ابھی ابھی چھپوائی گئی ہے پڑھئے اور خوب ہنسیے اور سبق حاصل کیجئے قیمت ایک آنہ رعایتی ۲/

الکوکب الیمانی

اس کا دوسرا نام "شہادت کا خاتمہ" ہے بریلوی حضرات کے فتوے سے ان کے کسی معتقد کا نکاح بھی درست نہیں ہو سکتا قیمت ۶/ رعایتی ۴/ قسم دوم ۲/ رعایتی ۱/

نئے مجدد کا نیا ایمان

نہایت دلچسپ اور قابل دید ہے۔ قیمت ڈیڑھ آنے رعایتی ۱/

کہ محمد شبیر صاحب ہی درحقیقت اس مناظرہ کے بانی مبانی تھے اور وہ دیوبندی نہیں تھے بلکہ رضاخانی علماء سے ایسی عقیدت رکھتے تھے کہ ایک اہم مسئلہ میں اونسے فتوی لینے گئے تھے اور تیسرا جھوٹ یہ کہ "یہ سوال شہر کہنہ سے مولوی سردار احمد صاحب کے پاس آیا"

ہم نے لہٰذا کے ابتدائی اوراق میں جہاں محمد شبیر صاحب کا سوال اور مولوی سردار احمد صاحب کا جواب نقل کیا ہے وہیں یہ بھی لکھدیا ہے کہ جناب محمد شبیر صاحب نے اپنا سوال جناب مولوی حامد رضاخانصاحب کے سامنے پیش کیا تھا لیکن (شاید ساٹھ سالہ تجربہ کی وجہ سے اونکو اوس سوال ہی میں مناظرہ کی بو آگئی اسلئے) اونہوں نے خود جواب نہیں لکھا اور اسطرح وہ بلا بیچارے مولوی سردار احمد کے سر پڑگئی

یہ تین سطریں صرف تین جھوٹ اوس راستباز کے ہیں جو خدا کو سمیع بصیر مانکر اور "لعنۃ اللہ علی الکاذبین" پڑھکر ابھی ابھی یہ عہد کرچکا ہے کہ "میں جو کچھ لکھونگا صحیح لکھونگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نئے مجدد کے نئے دین و مذہب میں شاید غلط اور صحیح، سچ اور جھوٹ، کے معنے بھی بدل گئے ہیں ؎

صحیح کا نام غلط رکھدیا، غلط کا صحیح ٭ جو چاہے آپکا حسنِ کرشمہ ساز کرے

(۴) پھر یہی راستباز (واقعی یا فرضی حامد) مناظرہ کے پہلے دن کے متعلق لکھتے ہیں

"وہ ساعت آگئی جس کے تصور سے وہابی جماعت کا دل لرز رہا تھا
یعنی دس بجگئے اور وہابی جماعت کے مناظر مولوی منظور صاحب
میدان مناظرہ سے اسطرح غائب ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ"

(۵) پھر اسی سلسلہ میں چند سطر کے بعد لکھتے ہیں

"جب وہابیوں کے مناظر مولوی منظور صاحب کو پا بدست دگرے دست بدست دگرے" میدان مناظرہ میں لایا گیا الخ"

قطع نظر اس سے کہ اس میں کیسا صدی فی صدی جھوٹ بولا گیا ہے ہم اپنے ناظرین کو یہاں صرف اسطرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ یہ ناپاک الفاظ اوس شخص کے ہیں جو

ؔ خدا جھوٹے کو دنیا اور آخرت میں روسیاہ کرے ۱۲

ابھی ابھی خدا کو "سمیع و بصیر" جانکر اور "لعنۃ اللہ علی الکاذبین" کی تلاوت کر کے یہ
کہہ چکا ہے کہ "مجھے کسی فریق کی جانبداری سے کوئی علاقہ نہ ہوگا"
ہم بھی کہتے ہیں کہ ایسے جھوٹوں پر خدا کی ایک نہیں بلکہ ہزار بلکہ بیشمار لعنتیں، کہو آمین!
(۶) پھر اسی اشتہار میں لکھا گیا ہے کہ

"اس مناظرہ کا انعقاد دونوں فریقوں کے اتفاق سے اس لئے ہوا تھا کہ مولانا مولوی سردار احمد صاحب نے مولوی اشرفعلی صاحب کی حفظ الایمان کی عبارت پر جو فتوے دیا ہے اوس عبارت پر کلام ہوگا"

اس سے زیادہ سفید جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے مولانا محمد منظور صاحب اور مولوی سردار احمد صاحب کی تحریریں ہم اپنی روئداد کے شروع میں نقل کر چکے ہیں مولانا محمد منظور صاحب کی تحریر میں یہ تصریح ہے کہ "میں تمام نزاعی امور میں مولوی سردار احمد صاحب سے مناظرہ کرنے کو تیار ہوں" اور مولوی سردار احمد صاحب کے الفاظ ہیں کہ "مولوی منظور صاحب کا چیلنج مناظرہ فقیر کو بغیر نظر و فکر منظور ہے جن امور میں وہ مناظرہ کرنا چاہیں فقیر بھی بحمدہ تعالیٰ اُن امور میں مناظرہ کے لئے تیار ہے" ناظرین کرام فریقین کی تحریروں میں موضوع مناظرہ کی تعمیم دیکھیں اور اس اشتہار نویس کے اس بہادرانہ جھوٹ کی داد دیں۔
(۷) اسکے بعد اس اشتہار میں لکھا ہے کہ

"مولوی منظور صاحب نے اس عبارت (یعنی عبارت حفظ الایمان) کو چھوڑ کر دوسرے مسائل پر کلام کئے جانے کی شرط کو پیش کیا اور اسپر نہایت سختی کیساتھ اصرار کیا"

جو حضرات مناظرہ میں موجود تھے وہ خاص طور اس سفید بلکہ سیاہ جھوٹ کو ملاحظہ فرمائیں اور حامد میاں کی اس راستبازی کی داد دیں، اور جو حضرات وہاں نہیں تھے اونکو تفصیلی روئداد کے مطالعہ سے معلوم ہو چکا ہوگا کہ موضوع مناظرہ کے متعلق نزاع یہ تھا کہ مولوی سردار احمد صاحب کہتے تھے کہ مناظرہ صرف حفظ الایمان کی عبارت پر ہوگا

اور مولانا محمد منظور صاحب کا اصرار تھا کہ حسام الحرمین کے تمام مباحث بالترتیب اسکے دوسرا اختلافی مسائل پر بھی مناظرہ ہوگا اور مولانا کا یہ اصرار بالکل بجا تھا جسکے سامنے بالآخر مولوی سردار احمد صاحب کو بھی جھکنا پڑا اور انکو اسکی تحریر بھی دینی پڑی اگرچہ عمل کے وقت وہ اس سے گریز کر گئے

(۸) اس اشتہار میں مولانا محمد منظور صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ

"آپ نے ایک موقعہ پر "تعلیق بالمحال" کا لفظ بولا اور تحریر میں لکھا جب اونسے مولانا سردار احمد صاحب نے مطالبہ کیا کہ بتاؤ تعلیق بالمحال کسے کہتے ہیں اور اسکا کیا مطلب ہے تو حیران و ششدر ہو کر اور سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور جواب[1] نہ دے سکے"

جو لوگ مجلس مناظرہ میں موجود تھے وہ تو اس جھوٹ پر لعنت بھیجیں گے ہی لیکن جو وہاں موجود نہ تھے وہ بھی مولانا محمد منظور صاحب کی علمی عظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے غالباً بلا تامل کہینگے کہ "ان ھذا الا اختلاق" اصل واقعہ یہ تھا کہ جب مولوی سردار احمد نے یہ پوچھا کہ تعلیق بالمحال کسکو کہتے ہیں؟ تو مولانا نے فرمایا کہ یہ بات مجلس مناظرہ میں پوچھنے کی نہیں ہے بلکہ مدرسہ میں پوچھنے کی ہے اسوقت میں مناظرہ کے لئے کھڑا ہوا ہوں سبق پڑھانے کے لئے نہیں بیٹھا ہوں لیکن اسکے بعد بھی مولوی سردار احمد صاحب اپنی کج بحثی سے باز نہیں آئے تو مولانا نے فرمایا کہ اگر میری منطق دانی کا امتحان لینا ہے تو پھر اچھا یہ ہے کہ آپ حضرات میں جو سب سے بہتر منطق جانتا ہو اوسکو کھڑا کر دیجیے اور ایک گھنٹہ خالص علمی گفتگو کے لئے مقرر کر لیجیے خدا نے چاہا تو چند منٹ میں معلوم ہو جائیگا کہ آپ حضرات کو منطق کی ہوا بھی نہیں لگی، لیکن اگر صرف خلط مبحث کرنے اور وقت ضائع کرنے کے لئے آپ اس قسم کی کج بحثیاں کریں گے تو میں ہرگز جواب نہیں دونگا میرے نزدیک یہ وقت نہایت قیمتی ہے اور مجھے اسیوقت میں لوگوں کو آپ حضرات کی مذہبی گمراہیوں پر مطلع کرنا ہے۔ مولوی سردار احمد صاحب نے کہا کہ اگر آپ جواب نہیں دیتے تو پھر اپنی تحریر میں سے تعلیق بالمحال کا لفظ نکال دیجیے، مولانا نے فرمایا کہ اگر آپ تعلیق بالمحال کا لفظ نہیں

[1] ان جہل کے دشمنوں کے نزدیک شاید تعلیق بالمحال کا لفظ بھی کوئی ایسا دقیق اور غامض لفظ ہے جسکے لئے رازی اور غزالی کے آنے کی ضرورت ہے مگر ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے یہاں اس قسم کے جوابات دینے کے لئے صغریٰ کبریٰ پڑھنے والے طلباء تمام [illegible] استفادہ کیجئے"

سمجھ سکتے تو مجھکو اوسکے نکالدینے میں کوئی عذر نہیں، اسکے بعد مولانا نے اپنی تحریر سے وہ لفظ نکالدیا۔"

(۹) اس اشتہار میں یہ بھی لکھا ہے کہ

"مولانا سردار احمد صاحب جسقدر علمی سوالات کرتے تھے جواب دینا تو درکنار مولوی منظور احمد صاحب اور نہ صرف مولوی منظور احمد صاحب بلکہ تمام دیوبندی جماعت انہیں سنکر حیران و ششدر ہو جاتی تھی"

شرکاء مناظرہ غور فرمائیں کہ یہ بریلی کے مناظرہ ہی کا واقعہ ہے یا کسی خواب کے مناظرہ کا؟ کیا مولوی سردار احمد صاحب نے کوئی ایک بھی ایسا سوال کیا تھا جسکو علمی کہا جا سکے؟ معلوم ہوتا ہے کہ رضاخانی ٹکسال میں روئداد کے پُر کرنے کے لئے کچھ سوالات ڈھالے جارہے ہیں یہ اوسی کی پیشبندی ہے، بہت اچھا ہم بھی کہیں نہیں گئے ہیں۔[۱]

(۱۰) اس اشتہار میں مولانا محمد منظور صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ وہ

"اس عبارت (یعنی عبارت حفظ الایمان) کا کوئی مطلب ایسا نہ بنا سکے جس سے اس عبارت سے توہین و گستاخی ہونیکا حکم اٹھ جاتا"

جو حضرات مناظرہ میں شریک تھے وہ حضرات تو مولانا کی اون رضاخانیت شکن تقریروں کو یاد کریں جنہوں نے روز روشن کیطرح واضح کردیا تھا کہ حفظ الایمان کی عبارت میں توہین کا شائبہ بھی نہیں اور اوسپر کفر کا فتوے دینے والے یا مفتری کذاب ہیں یا جاہل ناقابل خطاب، اور جو وہاں مناظرہ میں موجود نہ تھے وہ حضرات مولانا کی وہ تقریریں تفصیلی روئداد میں ملاحظہ فرمائیں

(۱۱) مولانا محمد منظور صاحب نے حفظ الایمان کے مضمون کی تائید میں قرآن کریم سے سولہ بلکہ سترہ آیتیں پیش کی تھیں اونکے متعلق اس اشتہار میں لکھا گیا ہے کہ

"مولوی منظور صاحب نے عوام کو دھوکہ دینے کے لئے قرآن حکیم کی سولہ آیتیں تلاوت کیں مگر کسی ایک کے ترجمہ یا مطلب سے بھی حفظ الایمان

---

[۱] بریلی ہی میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے گھبرائیے نہیں ہر طرح خدمت کو حاضر ہیں۔ ۱۲ مرتب

کی اس عبارت کو ثابت نہ کر سکے "

یہ آیتیں اپنے موقعہ پر تفصیلی روداد میں آچکی ہیں ناظرین فیصلہ فرمائیں کہ انسے حفظ الایمان کا مضمون ثابت ہوتا ہے یا نہیں ؟

(۱۲) مولوی سردار احمد صاحب نے اپنے نزدیک حفظ الایمان کی عبارت کے دو فوٹو بنا کر پیش کئے تھے ایک یہ کہ .. مولوی اشرفعلی صاحب کی ذات پر عالم ہونے کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو الخ" اور دوسرا فوٹو یہ کہ "مولوی اشرفعلی صاحب کے چہرہ پر حسین ہونیکا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو الخ - مولٰنا محمد منظور صاحب نے ان فوٹونکو غلط اور عبارت حفظ الایمان کے غیر مطابق ثابت کرنے کے بعد انکا جو دنداں شکن دلہدوز جواب دیا تھا (جس سے مولوی احمد رضا خانصاحب کی روح بھی تھوڑی دیر کے لئے تڑپ گئی ہوگی) اور جن زندہ رضا خانیوں نے بھی اوسکو سنا تھا یقین ہے کہ وہ بھی تا زیست اوسکو نہ بھولینگے اوسکا اس اشتہار مین کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ اسکے متعلق یہ صریح جھوٹ بولا گیا کہ

"نہ صرف مولوی منظور صاحب بلکہ وہابیان بریلی کی وہ قلیل جماعت جو میدانِ مناظرہ میں موجود تھی ان دونو فوٹونکی عبارت کو سنکر کرب و بیچینی سے تلملا اٹھی"

(اور جواب کا ذکر ندارد)

مولٰنا کا وہ دنداں شکن جواب اپنے موقع پر تفصیلی روداد میں نقل کیا جاچکا ہے ناظرین کرام ملاحظہ فرما کر اس اشتہار نویس کی راستبازی کا اندازہ کریں۔

(۱۳) رضا خانیوں نے حضرت مولٰنا محمد منظور صاحب کے رضا خانیت شکن بے پناہ واروں سے تنگ آکر مجلس مناظرہ کو درہم برہم کرنے کے لئے جو شرمناک اور انسانیت سوز طریقہ اختیار کیا انسانیت و شرافت ہمیشہ ہمیشہ اوسپر لعنت کریگی، بالخصوص رضا خانیوں کے صدر مولوی حبیب الرحمٰن کا شور و شغب اور اونکے اشارہ پر رضا خانی غنڈونکی وحشیانہ یورش یہ وہ چیزیں ہیں جنپر بعض اون رضا خانیوں نے بھی نفرت کی جو تہذیب و انسانیت سے بالکل محروم نہیں تھے، لیکن اس اشتہار میں ان چیزوں پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ سفید جھوٹ بولا گیا ہے جسکی نظیر رضا خانی لٹریچر کے سوا اور کہیں نہیں ملسکتی اور نہ چشم دیدہ واقعات

ہیں فرزندانِ رضا خانیت کے علاوہ کوئی دوسرا اس دلیری کے ساتھ جھوٹ بول سکتا ہے ہم اختتام مناظرہ کے صحیح واقعات تفصیلی رو داد میں لکھ چکے ہیں ناظرین ملاحظہ فرمالیں
(۱۴) جناب محمد شبیر صاحب بانیٔ مناظرہ کے فیصلہ کو بے اثر کرنے کے لئے اس اشتہار میں اون بیچاروں کو بھی دیوبندی لکھا گیا ہے، ہم تو اس سے بہت خوش ہیں کہ ہماری جماعت میں ایک آدمی کا اضافہ ہوا اللّٰھم زِد فزد، لیکن یہ چیز واقع کے بالکل خلاف اور نہایت سفید جھوٹ ہے۔ اگر جناب محمد شبیر صاحب پہلے سے دیوبندی ہوتے تو مولٰنا اشرفعلی صاحب کے متعلق فتوے لینے کے لئے مولوی حامد رضا خانصاحب کے پاس نہ جاتے اور اونسے یہ نہ پوچھتے کہ میرا بھائی مولوی اشرف علی صاحب کو مانتا ہے میں اوس سے ملوں یا نہ ملوں، کیا کسی دیوبندی کو بھی یہ وسوسہ ہو سکتا ہے؟ پس جناب محمد شبیر صاحب کا فتوے لینے کے لئے مولوی حامد رضا خانصاحب کے پاس جانا اور اونکا زبانی، اور مولوی سردار احمد صاحب کا تحریری یہ فتوے دینا کہ اگر تمہارا بھائی مولوی اشرفعلی صاحب کی عقیدت سے باز نہ آئے تو اوس سے ترک تعلق کر دیا جائے اس سے میل جول، سلام کلام، کھانا پینا، سب حرام ہے" یہ صریح دلیل اسکی ہے کہ جناب محمد شبیر صاحب دیوبندی نہیں تھے بلکہ مولوی حامد رضا خانصاحب سے علمی اور مذہبی عقیدت رکھتے تھے اور مولویصاحب موصوف بھی انکو اپنا برادرِ مذہبی ہی جانتے تھے جب ہی تو اونکو یہ ترک موالاتی فتوے دیا،

علاوہ اسکے مسلمانان بریلی کو یہ بھی یاد ہوگا کہ اب سے کئی سال پہلے جبکہ جناب محمد شبیر صاحب بریلی ہی میں مقیم تھے اوہنوں نے مسلمانوں کے سود و بہبود کے لیے ایک انجمن قائم کی تھی اور اسکا ایک جلسہ بھی کیا تھا جسمیں صرف رضا خانی علماء کو بلایا تھا اور اسی سلسلہ میں جناب مولوی حامد رضا خانصاحب نے مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی کے بلانے کے لئے ایک خط بھی لکھکر جناب محمد شبیر صاحب کو دیا تھا، مولوی حامد رضا خاں صاحب سے بحلف اسکی تصدیق کیجا سکتی ہے۔

نیز بعض انجمنوں میں جناب محمد شبیر صاحب اور مولوی حسنین رضا خاں صاحب

(خلیفہ خاص و داماد جناب مولوی احمد رضا خانصاحب) نے ملکر دوش بدوش کام کیا ہے، اون انجمنوں کے رجسٹر اگر تلف نہوئے ہوں تو وہ اس حقیقت کی شہادت دینگے۔

بہرحال جناب محمد شبیر صاحب کو صرف منصفانہ فیصلہ دیدینے کی وجہ سے دیوبندی کہدینا ایسا ہی ہے جیسا کہ یہود مدینہ حضرت عبداللہ بن سلام کو "خیرنا و ابن خیرنا" کہتے تھے (یعنی قوم یہود کا افضل ترین فرد) لیکن جیسے ہی اونہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی شہادت دی اور اسلام قبول کیا تو وہی کذاب یہودی کہنے لگے "شرنا و ابن شرنا" (یعنی یہ تو ہم میں بدترین شخص ہے اور اسکا باپ بھی ایسا ہی خراب تھا)

(۱۵) بعض رضاخانی ایجنٹ جناب محمد شبیر صاحب بانی مناظرہ سے جو خلاف دیانت تحریر مناظرہ کے متعلق لینا چاہتے تھے اوسکا ذکر روئداد میں کیا جاچکا ہے لیکن اس اشتہار میں اوس سے صاف انکار کیا گیا ہے مگر ارباب بصیرت کے لئے اسی انکار میں اس گندے جرم کا صریح اقرار موجود ہے اسموقع پر اس اشتہار کی عبارت یہ ہے کہ

"وہ بعض اہلسنت جنپر یہ افترا کیا جاتا ہے (کہ اونہوں نے محمد شبیر صاحب سے تحریر لینی چاہی) اون افراد نے جو زبردست احسان دیوبندی علما اور دیوبندی مناظر مولوی منظور صاحب پر کیا تم سب تمام عمر اونکے ذمہ شکر سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے کہ چار دن تک برابر آپ کے مناظر نے ہر قسم کے گندے حملے علماء اہلسنت پر کئے مگر اون افراد نے اثناء مناظرہ میں کسی قسم کی کوئی ذلت یا تکلیف نہیں پہونچنے دی"

جن لوگوں کے دماغ جوہر لطیف سے خالی نہیں ہیں وہ ان سطروں کو غور سے پڑھیں جناب محمد شبیر صاحب نے اپنے فیصلہ میں اون لوگوں کا نام نہیں لکھا تھا جو اونسے وہ تحریر حاصل کرنا چاہتے تھے بلکہ اونہوں نے صرف یہ لکھا تھا کہ "

مولوی سردار احمد صاحب کے فریق کے بعض آدمیوں نے بہت سے ناقابل ذکر حیلوں سے مجھ سے اس قسم کی تحریر لینا چاہی"

بہر حال محمد شبیر صاحب کے اس فیصلہ میں کوئی ہلکا اشارہ بھی ایسا نہیں تھا جس سے یہ معلوم ہوسکتا کہ وہ کون لوگ تھے لیکن مثل مشہور ہے کہ "چور کی داڑھی میں تنکا" اس اشتہار میں اون لوگونکو متعین کردیا گیا کہ وہ وہی تھی جو اثناء مناظرہ میں امن قائم رکھنا چاہتے تھے اور وہ بھی "حامد یار تھے" جو پولیس میں حفظ امن کی ذمہ داری دیکر آئے تھے اور اسی ذمہ داری کی وجہ سے وہ امن قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے دیکھو چور یوں اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے ؎

دغا ہوتی ہے جس دل میں وہی چھاتی دھڑکتی ہے ؛ فساد بلغمی سے آنکھ رہ رہ کر پھڑکتی ہے

اگر واقعی حامد یار صاحب نے ایسی حرکت نہیں کی تھی تو اونکو چاہیے تھا کہ انکار کرنے سے پہلے جناب محمد شبیر صاحب سے دریافت کرتے کہ کس شخص نے آپ سے ایسی تحریر لینی چاہی تھی؟ لیکن پہلے ہی سے یہ شور مچا دینا کہ میں نہیں تھا میں نہیں تھا اصول تفتیش کی بنا پر الزام کو اور قوی کردیتا ہے حقانیت کا معجزہ دیکھو کہ قدرت انکار کرنے والوں سے اقرار کراتی ہے ؎

کیا لطف کہ غیر پردہ کھولے ؛ جادو وہ ہے جو سر پہ چڑھ کے بولے

رہا یہ بہتان کہ مولانا محمد منظور صاحب نے رضاخانی علماء پر گندے حملے کئے یہ بھی نہایت سفید جھوٹ ہے جو مسلمان مناظرہ میں موجود تھے اُنکو یاد ہوگا کہ بعض اوقات مولوی سردار احمد صاحب نہایت ناپاک اور گندے الفاظ مولانا اور آپ کے اکابر کے متعلق استعمال کرجاتے تھے جس سے سننے والونکو بھی اشتعال ہوتا تھا اور اونکا پیمانہ صبر چھلک جاتا تھا مگر مولانا محمد منظور صاحب اپنے خداداد تحمل سے اسکو برداشت کرتے تھے اور اہلسنت کے مشتعل جذبات کو بھی فرو کرتے تھے البتہ کبھی کبھی مولانا نے ایسا ضرور کیا ہے کہ مولوی سردار احمد صاحب نے خود مولانا یا انکے کسی بزرگ کے متعلق سخت کلمات کہے تو مولانا نے بعینہ وہی کلمات مولوی احمد رضا خانصاحب پر لوٹا دئے گویا عطائے تو بہ لقائے تو پر عمل کرتے ہوئے اُنکا ہدیہ اُنہیں کو واپس کردیا مگر وہ بھی ہر دفعہ نہیں بلکہ بعض دفعہ مجبور ہوکر ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ مولوی سردار احمد صاحب کی وہ گندی گالیاں نقل کرکے روئداد کو گندگی سے ملوث اور ناظرین کی طبیعت کو مکدر کریں چنانچہ اسیوجہ سے ہمنے روئداد میں اُنکی وہ گالیاں نقل کرنے سے چھوڑدیں مگر رضاخانیوں

کے اس اشتہار نے ہمکو مجبور کیا کہ ہم ناظرین کو رضا خانی گالیوں کی بھی سیر کرائیں لیکن ہم اگر ہم مولوی سردار احمد صاحب کی وہ گالیاں نقل کریں جن سے انہوں نے حاضرین مجلس مناظرہ کی طبیعتوں کو منقبض کیا تھا اور جنکے بیان کرنے میں انہوں نے مسجد جیسی مقدس جگہ کا احترام بھی بالائے طاق رکھدیا تھا تو اندیشہ بلکہ یقین ہے کہ مناظرہ کے دوسرے واقعات کی طرح انکا بھی صاف انکار کردیا جاویگا اسلئے ہم انکے قبلہ وکعبہ خانصاحب بریلوی کی گندہ تہذیب کے چند نمونے انکی بعض مطبوعہ کتابوں سے پیش کرتے ہیں بس ناظرین سمجھ لیں کہ یہی گندی گالیاں مولوی سردار احمد صاحب کی زبان پر چڑھی ہوئیں تھیں جنکو وہ مختلف الفاظ اور نئے نئے انداز سے بیان کرتے تھے الفاظ مختلف اور مضمون سب کا ایک ہوتا تھا۔

اسوقت ہمارے سامنے خانصاحب کی مشہور اور مایۂ ناز کتاب "وقعات السنان" ہی جواب سے چوبیس ۲۴ برس پہلے اسی حفظ الایمان کی عبارت کے متعلق حضرت مولانا اشرفعلی صاحب کے رسالہ بسط البنان کے جواب میں لکھی گئی ہے ہم اسوقت صرف اسی ایک کتاب سے چند نمونے پیش کرتے ہیں

رضاخانی تہذیب کی عریاں تصویر

(۱) حضرت مولانا اشرفعلی صاحب کے متعلق ارشاد ہوتا ہے "یہ اپنی دوشتی میں وہ تیسرا داخل کرکے" وقعات السنان صہ ۲۵ (۲) اُسکے چند سطر بعد اسی صفحہ پر مکرر ارشاد ہے "اُسکی دوشتی میں اس تیسرے کا دخول" (۳) ایک جگہ ارقام فرماتے ہیں "مسماۃ بہ تیسرا ابھی کیسا ہضم کرگئی صہ ۴۵ (۴) رسلیا والا بھی کیا یاد کریگا کسی کرتے سے پالا پڑا تھا صہ ۹۴ (۵) اب وہ کھولوں جس سے مخالف چوندھیا کر پٹ ہوجائے اور آنکھ کھولے تو چوپٹ ہوجائے صہ ۴ (۶) رسلیا کہتی ہے میں یوں نہیں مانتی میری ٹھیرائی پر اُتر و" صہ ۵۲ (۷) دیکھوں تو سہیں تم میری ڈیڑھ گرہ کیسے کھولے لیتے ہو" ایضاً صہ ۵۲ (۸) رسلیا کی کلابازیاں ملاحظہ ہوں خصم کے کرتے وار کی گھبراہٹ میں سب کچھ تو ان کہی بولگئی صہ ۶۶ (۹) حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کے متعلق صہ ۶۳ پر لکھا ہے:- اب جو سلمانوں نے آڑے ہاتھوں لیا چھکے چھوٹ گئے سینے ٹوٹ گئے تیور پھٹ گئے

دم الٹ گئے معاف کیجیے آپ جیتے میں ہار اے لب نازک سے صدا آنے لگی بس بس کی" (۱۰) رسلیا کی چال پھیریاں تو گوہر کو بھی مات کر گئیں. اب مسلمانوں کے چھلنے کو پھر کا داکا تھی ہے" صہ۶۹ "تلك عشرة كاملة" یہ پورے دس نمبر ہوئے. مگر چونکہ رضاخانی امت کو گیارہویں سے بہت زیادہ محبت ہے اسلئے ہم ایک گیارھواں اور بڑھاتے ہیں دور جانے کی ضرورت نہیں اسی "دقعات لسان" صہ۶ پر بسط البنان ہی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے اور کسقدر پاکیزہ ارشاد ہے کہ نٹنیاں بھی شرما جائیں "اُف ری رسلیا تیرا بھولا پن خون پوچھتی جا اور کہہ خدا جھوٹ کرے" مسلمانو! مسلمانو!! اے شمع محمدی کے پروانو!!! تمہیں اخلاق محمدی کا واسطہ اپنے دین و ایمان کا واسطہ. اللہ کی دی ہوئی شرافت وانسانیت کا واسطہ خدارا غور کرو کیا کوئی مہذب انسان ایسی مغلظات بک سکتا ہے کیا تمنے نٹنیوں کنجریوں کے سوا کسی کافر سے بھی یہ ناپاک گالیاں سنی ہیں، آہ ان ناپاک اور گندی باتوں سے حیا و شرم کی ناک کٹجاتی ہے جبین انسانیت عرق انفعال سے تربتر ہو جاتی ہے مگر کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ یہ گندے کلمات یہ ناپاک گالیاں اوس شخص کے قلم سے نکل رہی ہیں جو چودھویں صدی کی مجددیت کا مدعی ہے[۱] اور جسکی ذریت اسکو حضور پر نور اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ صاحب حجت قاہرہ مجدد مائۃ حاضرہ مویدملۃ طاہرہ صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و علیہ وسلم کے موٹے موٹے خطابات سے یاد کرتی ہے اور جنکو شفیع محشر ساقی کوثر[۲] وغیرہ وغیرہ سمجھتی ہے

---

۱ اگرچہ خانصاحب نے اس کتابکو اپنے صاحبزادے بلند اقبال کے نام سے شائع کیا ہے لیکن دنیا جانتی ہے کہ یہ لب و لہجہ خانصاحب کے سوا کسی اور کو نصیب ہی نہیں ہوا علاوہ ازیں کہ صاحبزادے صاحب کی پوزیشن بھی رضاخانیوں میں کوئی معمولی نہیں ہے وہ خانصاحب کے سچے جانشین اور رضاخانیت کے قبلہ و کعبہ سمجھے جاتے ہیں اور ان کے نام کے ساتھ محی الدین جیلانی اور آل الرحمٰن[۲] (یعنی خدا کی اولاد) جیسے موٹے موٹے الفاظ لکھے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ رضاخانی حضرت شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی رح کو بھی اسی کیر کٹر کا سمجھتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۱۲ مرتب

۲ مسلمان غور کریں کہ خانصاحب اپنے صاحبزادے کو آل الرحمٰن لکھکر خود کیا بننا چاہتے ہیں مرزا قادیانی کو یہ دوسرے بھائی اور خلیفہ محمود کو نئے چچا مبارک ہوں ۱۲

بہرحال مولوی سردار احمد صاحب مناظرہ میں ایسی ہی گندی ذہنیت کی نمایش بار بار کرتے تھے جس سے مہذب حاضرین کو بھی سخت کوفت ہوتی تھی اور مولانا محمد منظور صاحب بڑی حد تک برداشت کرتے تھے لیکن اس اشتہار میں مولانا محمد منظور صاحب کی سخت گفتاری کی شکایت کی گئی ہے۔ ؎

ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہمکو ؛ تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو

(۱۶) اس اشتہار کے اخیر میں اس بہادر اشتہار نویس نے مسلمانان بریلی سے اپیل کی ہے کہ "ہمارا اشتہار اور دیوبندی جماعت کا وہ اشتہار جو شائع ہو چکا ہے (یعنی جناب محمد بشیر صاحب کا فیصلہ) غور سے پڑھیں اور جس فریق کے اشتہار میں کذب بیانی سے کام لیا گیا ہو اوس پر لعنتوں کی پیہم بوچھار کریں"

ہم بھی اس اپیل پر صاد کرتے ہیں لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین علی الکذابین الدجالین الذین یفترون الکذاب وھم یعلمون - آمین -

رضاخانی اشتہار پر صرف سولہ نمبروں میں یہ سرسری تنقید کر دیگئی ہے - ان حضرات کو گیارہویں بارہویں بہت محبوب ہے مگر ہم او پر چند گنتیوں کا اور اضافہ کر کے یہ سولھویں شریف کا ہدیہ ادرپیش کرتے ہیں ؎ گر قبول افتد زہے عزو شرف "

احقر رفاقت حسین فاروقی عمروی

یکم ربیع الاول ۵۳ھ

رضا خانیوں پر آخری اتمام حجت

(از مدیر)

الیوم نختم علیٰ افواھھم

آج ہم کو رضا خانیوں کے لبوں پر مُہر لگا دینی ہے

مناظرہ کی مفصل روداد بھی آپ حضرات ملاحظہ فرما چکے بالی مناظرہ کا فیصلہ بھی منظر عام پر آگیا اور رضا خانیوں کی مختصر روداد پر مختصر تنقید بھی اس نمبر میں شائع ہو رہی ہے اب ہم ناظرین کو ایک ایسی چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جسکو اس مناظرہ کا متفقہ فیصلہ کہا جا سکتا ہے۔

جو حضرات مناظرہ میں شریک تھے انکو یاد ہو گا کہ مولوی سردار احمد صاحب نے مجھ سے ایک مطالبہ یہ کیا تھا کہ "اگر حفظ الایمان" کی عبارت میں توہین نہیں ہے تو آپ ایسی ہی عبارت مولانا اشرفعلی صاحب کے حق میں لکھدیجیے اور اسی پر مولوی سردار احمد صاحب نے مناظرہ کا فیصلہ رکھا تھا میں نے اسکو منظور کر لیا تھا اور بعینہٖ حفظ الایمان کی عبارت مولانا اشرفعلیصاحب کے حق میں لکھدی تھی جسکی نقل بھی روداد مناظرہ کے صفحہ ۱۲ پر ہو چکی ہے، اگرچہ مولوی سردار احمد صاحب کی کج بحثی اسکے بعد بھی ختم نہ ہوئی۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو درحقیقت اسی سے مناظرہ کا متفقہ فیصلہ ہو گیا لیکن معلوم ہوا ہے کہ بعض حیا باختہ رضا خانی اب اسکے جواب میں یہ کہہ رہے ہیں کہ "محمد منظور نے مولوی اشرفعلی صاحب کے حق میں وہ عبارت اسلئے لکھدی کہ مولوی اشرفعلی صاحب کے متعلق اوسکو اطمینان اور اعتماد ہے کہ وہ اوس پر ہتک عزت کا دعوے نہیں کرینگے، اگر کسی اور معزز شخص کے حق میں وہ ایسی عبارت لکھدیں تو ہم بھی جانیں"

یہ بات جسقدر جاہلانہ اور سفیہانہ ہے محتاج بیان نہیں اور ہم کو یہ بھی اندازہ ہے کہ کوئی دلیل وحجت ایسے حیاداروں کا موں بند نہیں کر سکتی لیکن تاہم مزید اتمام حجت کے لئے ہم اس نئے حیلہ کو بھی ختم کرتے ہیں۔

اسوقت دنیوی وجاہت وعزت اور مادی طاقت وقوت کے اعتبار سے وائسرائے ہند اور ملک معظم کا جو درجہ ہے وہ سبکو معلوم ہے ہم ان دونوں کے متعلق حفظ الایمان کی عبارت بعینہٖ

لکھتے ہیں فرض کیجیے کوئی انگریز پرست (زید) اِن دونوکو عالم الغیب کہنے لگے تو ہم اوس سے کہتے ہیں کہ:

"اونکی (یعنی ویسرائے ہند اور ملک معظم کی) ذات پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد کل غیب یا بعض غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اسمیں ویسرائے ہند یا ملک معظم کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو ہر زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے"

ممکن ہے کہ اسکے بعد یہ رضا خانی حیادار یوں کہنے لگیں کہ ویسرائے ہند یا ملک معظم کی ہستی اتنی بڑی ہے کہ وہ ایسی چھوٹی باتونکی طرف توجہ نہیں کرینگے اور اسی خیال سے ہمنے اِن دونوکے متعلق یہ لکھدیا ہے ذرا کسی اور کو تو کہہ کے دیکھو! اس لئے آج ہم اِن تمام حیلوں کو جہنم میں پہنچانے کے لئے مولوی حامد رضا خانصاحب کے متعلق بھی یہی عبارت لکھتے ہیں۔

فرض کیجیے کہ کوئی رضا خانی مولوی حامد رضا خانصاحب کو عالم الغیب کہنے لگے تو ہم اوس سے کہینگے کہ

"اونکی یعنی مولوی حامد رضا خانصاحب کی ذات پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد کل غیب ہے یا بعض غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اسمیں مولوی حامد رضا خانصاحب کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو ہر زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے"

اگر اس عبارت سے مولوی حامد رضا خانصاحب کی توہین ہوتی ہو تو وہ ہم پر ہتک عزت کا دعوے کرکے ہمیشہ کے لئے اس نزاع کا فیصلہ کرالیں ورنہ اگر کچھ بھی حیا باقی ہو تو حفظ الایمان کے متعلق اپنے والد بزرگوار مولوی احمد رضا خانصاحب کے فتوائے کفر کی غلطی کا اعتراف کریں ہم حجت تمام کرچکے ہدایت و ضلالت خدا کے ہاتھ ہے "مدیر"

بیحد سستا گویا بالکل مفت

نیا بہشتی زیور مدلل مع ہنر تحواشی جدیدہ

تین ضخیم جلدیں ایک ہزار سے زیادہ صفحات اور قیمت

صرف ڈھائی روپیہ عہ

اس مشہور عالم کتاب کا تعارف صرف اسقدر کافی ہے کہ یہ دین و دنیا کا مکمل نصاب اور مذہب اسلام کی نہایت جامع انسائیکلوپیڈیا ہے جسکو اب سے بہت پہلے مسلمانوں کی دینی و دنیوی اصلاح کے لئے حکیم الامت حضرت مولٰنا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ نے تیار کیا تھا مقبولیت کی یہ کیفیت ہے کہ لاکھوں نسخے اور سیکڑوں اڈیشن اسکے نکلچکے ہیں دسیوں زبانوں میں اسکا ترجمہ ہو چکا ہے یہ اسکا بالکل تازہ اڈیشن ہے جو پہلے تمام اڈیشنوں سے زیادہ مکمل اور زیادہ مفید ہے اسمیں صرف مسائل لکھدئے ہی نہیں دئیے گئے ہیں بلکہ فٹ نوٹ میں فقہ کی اصل کتابوں کی پوری پوری عبارتیں بھی درج کردیگئی ہیں جسکی وجہ سے اب یہ ایک مستقل اور مستند فتاوے کی کتاب ہو گئی ہے بہت سے مسائل جنکا الجھاؤ صدہا نسخے ختم نہیں ہوا تھا انکی پوری تحقیق اور تنقیح کردی گئی ہے جہاں جہاں فقہ کی روایات میں اختلاف تھا وہاں مفتی بہ غیر مفتی بہ اور راجح مرجوح کی پوری تفصیل کردیگئی ہے اس دفعہ مستند علماء کرام کی ایک جماعت نے اسکی تصحیح اور نظرثانی کی ہے اب اس قابل ہو گئی ہے کہ ہر عامی اور عالم اسکو اپنے پاس رکھے اور چونکہ ہر مسئلہ کی دلیل قرآن و حدیث یا کتب فقہ کے حوالہ سے حاشیہ میں لکھدیگئی ہے اسلئے اب کسی مسئلہ پر اعتراض بھی نہیں ہو سکتا پہلے جبکہ یہ اتنی مکمل بھی نہ تھی اسکی قیمت ساتؔ روپیہ عہ تھے لیکن اس اڈیشن کی قیمت صرف چار روپیے رکھے گئے ہیں لیکن دفتر الفرقان اسکو صرف ڈھائی روپیہ میں دیگا جو اسکے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں وقت کی قدر کیجئے اور فوراً فرمائش بھیجدیجئے اور یقین کیجئے کہ ایسا موقع پھر ہاتھ نہ آئیگا ایک نسخے سے زیادہ کی فرمائش کیساتھ کم از کم ایک روپیہ پیشگی آنا چاہیے۔

الفرقان بالکل مفت

بہشتی زیور کے دو نسخے یکمشت خریدنے والے حضرات کو ایک سہ ماہی کیلئے اور چار نسخے خریدنے والوں کو ششماہی کے لئے اور چھ نسخے خریدنے والوں کو ایک سال کے لئے الفرقان مفت جاری کیا جائیگا اور یکمشت آٹھ نسخے خریدنے والوں کو ایک سال کے لئے الفرقان اور ایک نسخہ بہشتی زیور کا ہدیہ پیش کیا جائیگا لیکن ان تمام صورتوں میں یہ شرط ہے کہ کل قیمت پیشگی وصول ہو جائے

نوٹ فرمایش کے ساتھ اپنے قریبی ریلوے اسٹیشن کا نام ضرور لکھیے۔ ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

مینیجر الفرقان بریلی (یوپی)

رجسٹرڈ نمبر ۲۵۲۹

مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ

اللہ کے رستہ میں کون کون میری مدد کرے گا

میرا مقصد دین الٰہی کی اشاعت اور توحید و سنت کی حمایت و حفاظت ہے میں چاہتا ہوں کہ تمام مسلمان حقیقی معنی میں خدائے واحد کے پرستار ہو جائیں میری تمنا ہے کہ مدنی آقا کا علم صداقت ہمیشہ سربلند رہے اُس کے دشمن نگوں سار ہوں میری آرزو ہے کہ دُنیا کے سارے انسان خدا کے اس ہاشمی محبوب کے قدموں سے وابستہ ہو کر دین و دنیا کی عزت حاصل کریں جو بنی نوع انسان کا سب سے بڑا محسن ہے۔ ان پاکیزہ مقاصد کی کامیابی کیلئے میری ہر قسم کی اعانت بالخصوص توسیع اشاعت کی سعی کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

الفرقان

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر نے جامع پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر الفرقان بریلی سے شائع کیا!!!

Monthly 'ALFURQAN' Lucknow.
VOL 39 NO: 2
Regd. No. L-353

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان بریلی

چندہ سالانہ
تین روپے

ممالک غیر سے
سات شلنگ

جلد ۱۰ | بابت ماہ جمادی الاولےٰ والاخریٰ ۱۳۶۲ھ | نمبر ۵-۶

ضروری باتیں

(۱) اس جگہ ▭ سرخ پنسل کا نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپکی مدت خریداری اس پرچہ پر ختم ہوگئی ہے لہذا براہ کرم آئندہ کیلیے اپنا زرِ چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماکر ممنون فرمایئے، اور اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے آپ الفرقان کی سرپرستی سے دست کشی پر اس وقت مجبور ہی ہوں تو از راہ عنایت ایک کارڈ کے ذریعہ ہمکو مطلع ضرور فرمادیں اگر آئندہ ماہ کے پرچہ کی اشاعت تک آپکی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی اور چندہ بھی موصول نہیں ہوا تو اگلا پرچہ حسب قاعدہ بذریعہ وی۔پی ارسال خدمت ہوگا اور جناب کے دینی شغف اور "الفرقان نوازی" سے توقع کیجاے گی کہ آپ اس کو ضرور وصول فرمالیں گے۔

(۲) جن حضرات کے نام رسالہ وعدہ پر جاری ہے اور ابھی تک اُن کا چندہ وصول نہیں ہوا ہے ازراہ کرم وہ بھی اپنا چندہ اس وقت ارسال فرمادیں ورنہ اگلا پرچہ انکی خدمت میں بھی وی۔پی حاضر ہوگا۔

(ناظم الفرقان بریلی۔ یو۔پی)

الفرقان کا گزشتہ نمبر مطلوب ہے؟ ... پرچہ دفتر میں ختم ہوگیا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولیں

"الفرقان" کی گزشتہ اشاعت کے ایک مضمون میں دین اور علم دین کے اصلی اور حقیقی سرچشموں (قرآن و حدیث) کی طرف عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کو ترغیب دلاتے ہوئے 'عربی زبان کی سہولت کے متعلق جو یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ ایک تعلیم یافتہ شخص گھنٹہ دو گھنٹہ یومیہ بھی اگر وقت صرف کرے تو صرف دو تین مہینے میں اس کو اتنی عربی آسکتی ہے کہ پھر وہ ایک عربی خواں طالب علم کی طرح عربی ہی میں قرآن و حدیث کا درس لے سکے گا اور اللہ و رسول کی ہدایات کو انشاء اللہ تعالیٰ براہ راست انکی اصلی زبان ہی میں اور علیٰ وجہ البصیرت سمجھ سکیگا۔"

تعجب ہے کہ اس دعوے پر بعض علمار کرام نے بھی اظہار حیرت کیا ہے، ایسے حضرات سے میں بجز اس کے اور کیا عرض کر سکتا ہوں کہ میں نے ایک بار سے زیادہ تجربہ کرنے کے بعد اس کا اعلان کیا ہے اور آج کل بھی ایک مختصر سی جماعت اس طریقہ پر مجھ سے پڑھ رہی ہے جس نے "الفرقان" کے گزشتہ پرچہ کی اشاعت کے بعد ہی یہ سلسلہ شروع کیا ہے اور ابھی اس کے پورے چالیس سبق بھی نہیں ہوئے ہیں لیکن بحمد اللہ ان لوگوں کو اتنی عربی آچکی ہے کہ بلا توقف آج ہی سے ان کو درس قرآن اگر شروع کرا دیا جائے تو وہ عربی خواں طلبہ ہی کی طرح انشاء اللہ اس کو سمجھ سکتے ہیں لیکن ارادہ یہ ہی ہے کہ پچاس سبق پورے ہونے پر ہی (جو میرا عمومی پروگرام ہے) باقاعدہ درس قرآن شروع کرایا جائے پھر اس کے چند روز بعد ہی انشاء اللہ درس حدیث کا سلسلہ بھی ساتھ ہی ساتھ جاری کرا دیا جائے گا۔

بہت سے حضرات نے یہ مختصر طریق تعلیم دریافت کرنے کیلیے بڑے پر از اشتیاق خطوط بھی لکھے ہیں — اس قسم کے خطوط کی کثرت اور اپنی فرصت کی قلت کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کسی قریبی اطمینانی فرصت میں تھوڑی سی محنت کر کے اس طریق تعلیم اور ان اسباق کو میں قلمبند کر دوں اور پھر ایک ہی دفعہ میں یہ مکمل رسالہ "الفرقان" ہی میں شائع کر دیا جائے۔

اگرچہ گزشتہ مہینہ (جمادی الاولیٰ) ہی میں میں یہ رائے قایم کرچکا تھا لیکن اللہ کی شان ہے کہ پچھلے پورے دو مہینے میرے گھر میں سخت[1] اور تشویشناک قسم کی علالت رہی اور چونکہ تیمارداری نیز عام دیکھ بھال کیلیے میرے سوا کوئی دوسرا گھر پر نہ تھا اس لیے ان دو مہینوں میں لکھنے پڑھنے کا کوئی اطمینان طلب کام میں مطلق نہ کرسکا ورنہ بہت ممکن تھا کہ "الفرقان" کی یہی اشاعت اُن اسباق کی نذر ہو جاتی، اب اگر قدرت کی طرف سے کوئی اور ایسا مانع پیش نہ آیا تو انشاءاللہ آئندہ کسی قریبی اشاعت ہی میں وہ اسباق ایک ہی دفعہ میں ہدیہ ناظرین کرام کردیے جائینگے۔ واللہ الموفق وہو المستعان۔

ہاں اس اشاعت میں بھی اس سلسلہ میں میرا ایک خط شایع ہو رہا ہے، یہ ایک صاحبِ علم دوست کے گرامی نامہ کا جواب ہے اگرچہ اس کی حیثیت صرف ایک خط کی ہے لیکن پھر بھی جو منتشر چیزیں اس میں آگئی ہیں امید ہے کہ حضرات اہل علم اگر غور فرمائینگے تو ان کو مفید پائینگے اور اس طریق پر کام کرنے کا ارادہ رکھنے والوں کو اس کے ملاحظہ سے خاصا فائدہ ہوگا لیکن یہ بہرحال ملحوظ رہے کہ یہ مضمون کے طور پر نہیں لکھا گیا ہے بلکہ صرف ایک خط کا جواب ہے، ورنہ اگر انہی چیزوں کو تصنیفی طور پر لکھا جاتا تو طریق بیان دوسرا ہوتا اور ہر چیز کو مرتب طور سے اور واضح کرکے پیش کرنے کی کوشش کی جاتی۔

"اپنے دینی مدارس" سے متعلق "الفرقان" کی گزشتہ اشاعت میں جو مضمون بعنوان "اسلامی قلعے" لکھا گیا تھا اس کا بقیہ حصہ اسی اشاعت میں پیش کردینے کا ارادہ تھا، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا چونکہ پچھلے دو مہینے اطمینانی فرصت سے بالکل محرومی رہی اسلیے افسوس ہے کہ میں اسکو بھی تحریر ہی میں نہیں لا سکا، انشاءاللہ یہ قرضہ بھی "الفرقان" کی آئندہ اشاعت ہی ادا کرسکے گی۔

"مدارس دینیہ" کے سلسلہ کی پہلی قسط جو شایع ہو چکی ہے اگرچہ جیسے کہ پہلے سے بھی اُمید تھی بہت سے بزرگ اس سلسلہ میں میری جسارت بیجا یا صاف گوئی سے ناراض بھی ہوئے ہیں لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کچھ دلوں میں اُس نے حرکت و جنبش بھی پیدا کردی ہے اور وہ اس سلسلہ میں مجھے خط و کتابت بھی فرما رہے ہیں، اگر بدرجۂ اقل ایک دو مدرسوں ہی سے بھی اُن مفاسد کا کچھ ازالہ اس چیخ پکار سے ہو گیا جنکی نشاندہی اس مضمون میں کی گئی ہے یا کم از کم مقصد کی یاد دہانی ہی، میں اگر کرسکا تو سمجھونگا کہ الحمدللہ میری محنت دنیا میں بھی ٹھکانے لگ گئی۔

پھر ارادہ صرف ان "مضامین" پر ہی قناعت کرنے کا نہیں ہے بلکہ اللہ پاک اگر فرصت و توفیق بخشے تو ان دونوں کاموں (تھوڑی مدت میں عربی تعلیم کے طریق خاص کی اشاعت اور مدارس دینی کی اصلاح) کے سلسلہ میں چند اور ہمخیال مخلص بزرگوں اور دوستوں کی معیت میں خاص خاص مقامات کے دورے کرنے کا بھی ارادہ ہے تاکہ ان دونوں کاموں کو قوت اور وسعت کے ساتھ آگے بڑھانے کیلیے جو کوشش اپنے امکان میں ہے اپنی طرف سے حتی الوسع اس میں کوتاہی نہ ہونے پائے، آگے ان کا بار آور کرنا اللہ قادر و قیوم کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اللّٰھم منا الجھد وعلیک التکلان وبک المستغاث وانت المستعان۔

[1] بفضلہ تعالیٰ اب صحت ہے ۱۲

"راجپال" کا نیا جنم شیعوں میں

اخبار "مدینہ بجنور" مجریہ ۱۲ مئی کے افتتاحیہ میں لکھنؤ کے مشہور شیعہ اخبار "سرفراز" کی ۹ مئی کی اشاعت سے چند اقتباس نقل کیے گئے ہیں، اگرچہ ان کے دیکھنے اور پڑھنے سے آپ کو اور ہر مسلمان کو تکلیف ہی ہوگی اور تکلیف بھی حد سے زیادہ بلکہ ناقابل برداشت، لیکن ضرورت اس کی داعی ہے کہ آپ تک بلکہ ہر مسلمان تک "سرفراز" کے ان اقتباسات کو پہونچا ہی دیا جائے "تاکہ اگر آپ ابھی تک اس صورت حال سے ناواقف ہیں تو واقف ہو جائیں اور اس صورت میں جو فرض آپ پر عائد ہوتا ہے اس کی ادائیگی کی آپ فکر کریں اور اس کے لیے کمربستہ ہو جائیں،

پڑھیے اور سینے پہ پتھر کی سل رکھ کر پڑھیے

سارے مسلمانوں کے دینی و روحانی سردار اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین رفقاء و اصحاب، سیدنا حضرت ابوبکر صدیق، سیدنا حضرت عمر فاروق، سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین، سیدنا خالد بن الولید سیف اللہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کو اپنی شیعیانہ بدزبانی کا نشانہ بناتے ہوئے شیعوں کا یہ راجپال لکھتا ہے،

"خلافت اسلامیہ کی بنیاد غریب مالک بن نویرہ کے خون سے رکھی گئی" (سرفراز ۹ مئی)

"زکوٰۃ کی وصولی میں ایک مسلمان قبیلے پر فوج کا بھیجا جانا اور اس کے مسلمان سردار کو بجائے قید کرکے خلیفۂ وقت کے سامنے پیش کرنے کے قتل کر دینا، اور اس کی زوجہ سے اسی شب سپہ سالار فوج خالد بن ولید کا زنا کرنا، کن نظروں میں ممدوح قرار پا سکتا ہے، ایسے صریح مظالم پر اگر مسلمان نازاں ہوں تو ایسے اسلام کو لوگ دور سے سلام کہیں گے" (سرفراز ۹ مئی)

"جو اشخاص اجماع و شوریٰ سے خلیفہ بنائے گئے ان میں انصاف و مساوات کی قوت کہاں پائی جاتی تھی، منہ دیکھی بات کرنی ان پر لازم تھی۔" (ایضاً)

"حاکم معزز نا کام منتخب ہوا، چشم دیدگواہ بھی پیش کیے جائیں مگر اس کی دربار خلافت سے خلاصی ہو جائے" (ایضاً)

"حضرتِ ابوذر غفاری سا بوڑھا جلیل القدر صحابی حق بات کہنے سے بری حالت میں جلاوطن کیا جائے اور اسی تکلیف کی حالت میں مسافرت کی موت مرے۔ محمد بن ابی بکر کو پروانہ گورنری دے کر مصر روانہ کرنا اور فوراً ہی ناقہ یا شتر سوار کو عقب سے حاکم مصر کے پاس ایک نوشتہ دے کر دوڑانا کہ محمد بن ابی بکر کے ساتھ جو مصری وفد واپس جاتا ہے اسے پہنچتے ہی قتل کر دینا۔ یہ ہے خلافت راشدہ کا انصاف۔" (ایضاً)

"کون سے قانون سے خلیفۂ وقت (حضرت عثمان) جرم سے بری ہو سکتے ہیں۔" (ایضاً)

"یاد کیجیے اُس پر آشوب وقت کو جب پیغمبر اسلام کی ۲۳ برس کی تاکید میں تہ خاک کر کے نا اہل افراد نے (یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر وغیرہ نے) قبل اس کے کہ پیغمبر کی تجہیز و تکفین عمل میں آئے تقریر خلافت کو اچانک طور پر اچک لیا تھا۔" (سرفراز ۳ مئی)

"بنی امیہ کو بیت المالِ مسلمین سے مالا مال کر دینا اور ان کو ایسا فروغ دینا کہ عرب کے تمام مسلمان خوشامد خور، لالچی، اور خونریزیوں کے خوگر بن جائیں انہی حضرات (خلفاء راشدین) کا کارنامہ ہے۔" (ایضاً)

راجپالی ذہنیت کے سرمایہ دار "ادارۂ سرفراز" یا دوسرے شیعوں سے ہمیں کچھ کہنا نہیں ہے حکومت سے بھی کچھ کہنا نہیں ہے کہ اُس کی سرد مہری اس باب میں معلوم ہے اور ظاہر ہے کہ کسی "طاغوتی حکومت" کو ہمارے اس درد کا کیا احساس ہو سکتا ہے اور کہاں تک اس کو ہماری اس مصیبت میں ہمدردی ہو سکتی ہے؟!

ہاں پہلے تو اتنا کہنا ہے اپنے اُن روشن خیال "ناصح مشفقوں" سے جو آئے دن سنیوں کو نصیحت فرماتے رہتے ہیں کہ "شیعوں کو اپنا اسلامی بھائی سمجھو، یہ فرقہ بھی تمہارے شجرۂ ملت ہی کی ایک شاخ ہے" لہٰذا اس کے ساتھ برادرانہ ہی سلوک کرو وغیرہ وغیرہ!!

اے روشنی خیال کے نادان مدعیو! تمہاری آنکھوں میں بھی کچھ "روشنی" اب آئی؟ یا اب بھی تم ویسے ہی ناآشنائے حقیقت ہو "سرفراز" کے اڈیٹر نے یہ چراغ روشن کیا ہے کہ اس روشنی میں تم شیعیت کے خط و خال دیکھو، شیعی ذہنیت کو پڑھ سکو، شیعوں کی حقیقت کو جان لو، اگر اس سے بھی تمہاری آنکھیں کھلیں تو ایمانی غیرت و دینی حمیت سے محرومی میں کیا شبہ؟ (ومن لم یجعل اللّٰہ لہ نوراً فما لہ من نور)

اور اس کے بعد صرف اتنا کہنا ہے ایمانی غیرت رکھنے والے تمام سچے مسلمانوں سے کہ بھلا یہ ایمانی جذبات سے کھیلنے کی ہمت آج کسی کو صرف اس لیے ہوتی ہے کہ تم نے طاقت و اقتدار کو اپنے ہاتھوں سے کھو دیا ہے، یہ ناپاک زبانیں اسی دن بند ہو سکیں گی، دریدہ ناپاک قلم اسی وقت توڑے جا سکیں گے، جبکہ تمہارے پاس طاقت ہو گی اور تمہارے ہاتھ میں اقتدار ہو گا، سبق لو! اور اپنا اصلی فریضہ پہچانو!!

نیک ارادہ کے ساتھ سینما بینی؟

"سینما بینی" کے متعلق ایک مشہور دینی صحیفہ کے محترم اڈیٹر کی ایک نہایت خطرناک علمی غلطی کا تذکرہ دلی رنج و قلق کے ساتھ "الفرقان" کے گزشتہ پرچہ کے انہی صفحات میں کیا گیا تھا، خود اُن محترم سے بھی اپنی رائے پر نظرثانی کی درخواست پوری دلسوزی سے کی گئی تھی، اور دوسروں کو اس غلطی سے بچانے کا جو فرض اپنے اوپر عائد ہوتا تھا اپنے امکان بھر اس کی ادائیگی کی بھی پوری کوشش کی تھی — شکر گزار ہوں کہ اُن محترم" نے میری اس کوشش کو تو مخلصانہ اور خیر خواہانہ ہی سمجھا، لیکن رائے میں کوئی تبدیلی اس کے بعد بھی نہیں ہوئی — بلکہ پوری قوت و شدت کے ساتھ موصوف کو اب تک اپنے اس نظریہ پر اصرار ہے کہ — سینما بینی اگرچہ فی حد ذاتہ معصیت اور حرام و فسق ہی ہے لیکن اس قسم کے معاصی و فواحش کے ارتکاب سے بھی بہت سے "دینی فوائد" حاصل کیے جا سکتے ہیں، اور اگر ان "دینی فوائد" ہی کی نیت سے اس حرام و فسق (سینما بینی) کا ارتکاب کر لیا جائے اور اس کے ذریعہ حاصل کیے ہوئے معلومات و تجربات سے "دین کی خدمت و تبلیغ" میں کام لیا جائے تو اُمید یہ ہے کہ یہ فعل قابل مواخذہ نہ ہوگا۔"

محترم موصوف نہ صرف یہ کہ اپنے اس غلط تر اور خطرناک نظریہ پر مصر ہی ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس غلطی میں اپنا ہم نوا کرنے پر وہ اپنے دماغ و قلم کی پوری قوت صرف فرما رہے ہیں، اور اس مہینہ میں ان کے اخبار کا کوئی پرچہ بھی غالباً اس کوشش سے خالی نہیں رہا ہے

جن محترم بزرگ کا اس قضیہ سے تعلق ہے چونکہ دین ہی کے واسطے سے یہ ناچیز بھی ان سے کچھ نیازمندانہ ربط و تعلق رکھتا ہے نیز اس وجہ سے کہ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے وہ نرے اڈیٹر نہیں ہیں بلکہ دین کے مخصوص اور دردمند خادموں میں ان کا شمار ہے اور سب سے بڑھکر یہ کہ "تفسیر قرآن" اُن کا ایک ایسا تازہ دینی کارنامہ ہے جس کی وجہ سے ایک بہت بڑے طبقہ کیلیے اُن کی بات "دینی سند" ہو سکتی

ہی نیز یہ کہ وقت کے بعض اکابر علماء و مشائخ سے ان کی ایک طرح کی عقیدتمندانہ یا ارادتمندانہ وابستگی بھی لوگوں کو معلوم ہے — غرض ان وجوہ سے چونکہ ان کی اس غلط روی کے اثرات بہت متعدی ہو سکتے ہیں، اور خود راقم کے علم میں ہے کہ ہو رہے ہیں) اس لیے دل کو سخت رنج و قلق ہے۔ اسی قلبی اذیت نے اشاعتِ گزشتہ میں وہ چند سطریں لکھا دی تھیں، اور یہی تاثر آج بھی اس اظہار درد و کرب پر مجبور کر رہا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ جہاں تک کسی کے ذاتی فعل کا تعلق ہو سکتا ہے اس پر کسی کو "واویلا" کی کیا ضرورت، اس دنیا میں آج کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے اور ہم میں سے کتنوں کا دامن آثام و معاصی سے بالکل پاک صاف ہے، سو جہاں تک ان کے ذاتی فعل کا تعلق ہے اس کے متعلق تو بجز اس کے کچھ عرض کرنا نہیں کہ اللہ پاک ان کو اور اس کے علاوہ بھی ہماری ان کی ساری خطاؤں کو معاف فرمائے اور اپنی ناراضی کے سارے ہی موجبات سے بچنے کی ہم سب کو توفیق دے!

البتہ اس سلسلہ میں اپنے ایک بالکل غلط نظریہ کو وہ جو ایک مستقل اصول کے طور پر اب پیش کر رہے ہیں اور اپنے اخبار کی قریباً ہر اشاعت میں کسی نہ کسی پیرایہ سے وہ دوسروں کو بھی یہ باور کرانے کی مسلسل کوشش فرما رہے ہیں کہ "شیطان شناسی" کیلیے — یا "شیطان شناسوں" کیلیے اس قسم کے معاصی کا ارتکاب، اُن کے ذریعہ حاصل شدہ معلومات و تجربات سے خدمت دین میں کام لینے کے واسطے، اگر کیا جائے تو یہ کوئی مواخذہ کی چیز نہیں ہے بلکہ گویا دینی خدمت کی یہ بھی ایک راہ ہے۔

تو اپنی "بے خبری" اور "شیطان ناشناسی" کے حقیقی اعتراف و احساس کے باوجود میں صاف صاف یہ عرض کرنے کی پھر جرات کروں گا (اور اگر صاف صاف نہ کہوں تو رعایت بیجا اور حق پوشی کا مجرم ہونگا) کہ شریعت محمدی میں اس نظریہ کیلیے کوئی جگہ نہیں ہے بلکہ یہ محض "تسویل" ہے۔

پاک مقاصد کیلیے ناپاک ذرائع سے کام لینے کی شریعت اسلامی نے ہم کو ہرگز تعلیم نہیں دی ہے اور نہ ہم کسی ایسی خدمت دینی کے مکلف ہیں جو کسی "حرام اور فسق" کے ارتکاب پر موقوف ہو، بلکہ اس کو خدمت دین شمار کرنا ہی انتہا درجہ کی غلط فہمی ہے — صدقہ و خیرات کس قدر محبوب عبادت ہے لیکن اگر کوئی شخص ناجائز و ناپاک ذرائع سے روپیہ حاصل کر کے اس کو راہ خدا میں خرچ کرے تو نصوص ناطق ہیں کہ وہ اس کے منہ پر مار دیا جائے گا۔ اِنَّ اللّٰہ طیبٌ لا یقبل الا الطیب (حدیث) اللہ پاک ہے اور صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔

اور اسی پر کیا موقوف! اگر کوئی شخص اس ارادہ اور اس نیت سے سودی کاروبار یا چوری اور ڈاکہ زنی کرے کہ ان طریقوں سے جو مال اس کو حاصل ہوگا وہ اس کو صدی فی صدی "تبلیغ دین" "خدمت دین" اور "اعلاء کلمۃ اللہ" میں صرف کرے گا، اور فرض کیجیے کہ اپنی حماقت و جہالت سے وہ ایسا کرے بھی، تو کیا عند اللہ وہ کسی اجر کا مستحق ہوگا؟ یا شریعت میں اس کی کوئی دلیل ہے کہ وہ اپنی اس "نیک نیتی" کی وجہ سے مواخذہ خداوندی ہی سے چھوٹ جائے گا؟ کم از کم میرے علم میں تو کوئی ایسا استثنا نہیں ہے۔

مشرکین عرب کے متعلق قرآن مجید ہی کی گواہی ہے کہ وہ "بت پرستی" کے بارہ میں اپنی "نیت" اور اپنا مقصد بیان کرتے ہوئے کہتے تھے۔

مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى | ہم تو اپنے ان دیوتاؤں کی پوجا بس اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ تعالےٰ سے قریب کر دیں۔

گویا وہ بت پرستی بھی تقرب الی اللہ ہی کی نیت سے کرتے تھے، جس سے زیادہ پاک مقصد اور جس سے اچھی نیت یقیناً کوئی اور نہیں ہو سکتی لیکن کیا ان کی یہ "نیک نیتی" اور صرف مقصد کی پاکی شرک کی سزا (خلود فی النار) سے ان کو بچا لے گی؟ —— میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ شرک اور سینما بینی ایک درجہ کی چیزیں ہیں بلکہ مقصد صرف اس اصول کا واضح کرنا ہے کہ اگر کوئی شخص "خدا طلبی" اور "تقرب الٰہی" کی نیت سے بھی معصیت کا ارتکاب کرے (بالخصوص اس کو معصیت اور حرام و فسق جانتے ہوئے) تو "حسن نیت" کی وجہ سے وہ مواخذہ سے چھوٹ نہ جائے گا —— خصوصاً معاصی میں جو چیزیں (اصول فقہ کی اصطلاح میں) "قبیح لعینہ" ہیں، ان میں تو "حسن نیت" کا عذر نہ ہونا عقلاً بھی ظاہر بلکہ بدیہی ہے، اور معلوم ہے کہ فواحش تمامتر قبیح بالذات اسی ہیں اور سینما کے تماشوں میں جیسا کہ خود ان محترم ہی کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے بجز فواحش کے اور کیا ہوتا ہے؟ —— بہرحال سینما جیسے مجموعۂ فواحش و منکرات کے متعلق یہ خیال کرنا کہ "شیطان شناسی" یا "شیطانی ترقیوں سے واقفیت" حاصل کرنے کیلیے، یا "خدمت دین" کے کسی شعبہ میں اس کے معلومات و تجربات سے کام لینے کے واسطے اس "حرام" و "فسق" کا ارتکاب اگر کبھی کبھی کر لیا جایا کرے تو امید بھی ہے کہ اللہ مواخذہ نہ فرمائے گا۔ میرے لیے اب بھی سخت موجب حیرت ہے اور اس قسم کے محرمات و موجبات فسق کو "خدمت دین" کے کسی شعبہ میں کار آمد سمجھنا بھی بجائے خود عجیب تر، اور محض

سطحیت نظر! اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَجْعَلْ شِفَاءَ کُمْ فِیْمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ (اللہ نے تمہاری شفا ان چیزوں میں نہیں رکھی ہے جو تم پر حرام کی ہیں) لہ

واضح رہے کہ یہ جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں وہ صرف "کنز و ہدایہ" جیسی کسی فقہی کتاب کے کسی "جزئیہ" ہی کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ یہ اصولِ شریعت کا کھلا مقتضےٰ ہے۔ اس کو "فقیہانہ" یا "مدرسانہ" طرزِ فکر کا نتیجہ سمجھنا، اور اس اختلافِ رائے کو "بے خبر فقیہ" اور "باخبر حکیم" کے نقطۂ نظر کا اختلاف قرار دینا، "متجددین" یا "نیم آزاد متصوفین" کو تو زیبا ہو سکتا ہے لیکن اگر "متشرعین" بھی کسی وقت اسی قسم کی باتیں کرنے لگیں تو اپنی "بدقسمتی" کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات اور آپ کا اسوۂ حسنہ (جس کا مجموعی نام "شریعت اسلامی" ہے) اگر ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے "قانونِ رضا و غضب" کی مکمل اور غیر مشتبہ تشریح ہے، اور جن چیزوں کو اس نے "معروف" و موجبِ رضا قرار دیا ہے انہی پر اچھے اجر کی توقع کی جا سکتی ہے، اور جن چیزوں کو اس میں منکر اور موجبِ سُخط و غضبِ الٰہی بتلایا گیا ہے تو ان کا نتیجہ برا ہی نکلنے والا ہے، غرض اگر ہم شریعتِ محمدی کو اللہ تعالیٰ کی رضا و عدمِ رضا کی صحیح اور مکمل ترجمانی یقین کرتے ہیں تو پھر کسی چیز کے متعلق یہ جانتے ہوئے کہ شرعاً یہ "حرام اور فسق" ہے محض اپنے خیالات اور اپنی آرزوؤں کی بنیاد پر یہ اُمید قائم کر لینا کہ اگر اس "نیک مقصد" سے اس کا ارتکاب کر لیا جائے تو ہم سے مواخذہ نہ ہوگا، میرے خیال میں تو ایک قسم کا "اِتباعِ ہویٰ" ہے۔ اور اسی کا دوسرا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں "امانی" ہے۔

مثلاً آپ بلا وضو "نماز" پڑھتے ہیں پھر اللہ کیلیے بھی نہیں بلکہ اللہ کی مخلوق کو دکھلانے کیلیے، اور دوسروں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں کہ بھئی! نماز پڑھو بے وضو ہی پڑھ لو، تاکہ ذرا "یہ کافر لوگ" دیکھیں تو اور شوکتِ اسلام سے متاثر تو ہوں۔ عہ

اب بیچاری "کنز و ہدایہ" ہی نہیں بلکہ (جہاں تک مجھے علم ہے) قرآن بھی اس "نماز" کو نماز نہیں تسلیم کرتا، اس پر کسی اجر کا وعدہ نہیں کرتا، بلکہ "اَلَّذِیْنَ ھُمْ یُرَاؤُنَ" کے صریح لفظوں میں ایسی "نماز" کی مذمت کرتا ہے، اور جا بجا صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ جو عبادت بھی خالص اللہ کی رضا کیلیے نہیں کی گئی وہ قبول

عہ یہ کوئی واقعہ نہیں ہے بلکہ ایک فرضی مثال ہے۔ ہاں اس سے کچھ ملتے جلتے ایک واقعہ کا ذکر غالباً اسی سینما بینی کے قضیہ پر روشنی ڈالنے کے لیے بعض حضرات نے فرمایا ہے، تو اس مثال سے اگرچہ اس واقعہ پر بھی کچھ روشنی پڑ سکتی ہے لیکن یہ مقصود نہیں ہے لیکن بہرحال اس کو بعینہ وہی واقعہ سمجھا جائے اس میں اور اس فرضی مثال میں کچھ فرق ہے۔ ۱۲ منہ

لہ بعض محققین نے اس حدیث میں لفظ شفا کو وسیع معنی میں سمجھا ہے ۱۲ منہ

نہیں کی جائے گی بلکہ منہ پہ مار دی جائے گی"۔۔۔۔۔ لیکن آپ کا "دل" چاہتا ہی ہماری یہ نماز ضرور قبول ہو بلکہ "بہت سے اعمال مقبول سے مقبول تر شکل کر رہے"۔۔۔۔۔ اور پھر آپ اپنی اس دلی خواہش کی بنیاد پر ایسا ہی عقیدہ بھی قایم کرلیں۔۔۔۔۔ تو سوچیے کہ یہ "ھُدیٰ" کا اتباع ہوگا یا "ھَوَیٰ" کا؟ اور آپ کی اس خوش فہمی اور اُمید اجر و ثواب کی بنیاد اللہ کے کسی محکم وعدہ پر ہوگی یا محض "اَمَانِیْ" پر؟۔۔۔۔۔

قرآن مجید نے تو اس طریق کار اور اس طرح من مانے خیالات قایم کرلینے کی بڑی قوت اور شدت سے تردید کی ہی، جن آیات میں "بغیر علم" "بغیر ھدیٰ" "بغیر سلطان" "بغیر اذن رب" دینی معاملات میں خیالات قایم کرنے کی مذمت فرمائی گئی ہی کیا اُن میں غور و تدبر کے بعد اس باب میں کچھ شبہ رہتا ہی؟

اس سلسلہ میں عام محکمات شریعت کے مقابلہ میں عارف رومی کی چرواہے والی حکایت سے استناد اور بھی حیرت انگیز ہی، اگر مثنوی کی حکایات کی روایتی حیثیت کچھ قابل اعتنا ہوتی[1] تو قواعد شرعیہ کے مطابق اس حکایت ہی کی "توجیہ" کی جاتی، نہ کہ اُن کے مقابلہ میں اسی کو مسائل کے استنباط کیلیے اساس بنایا جاتا۔

ہمارے "اُن محترم" پر یہ حقیقت تو مخفی نہ ہوگی کہ اگر بالفرض (کفرض المحال) اس قسم کا کوئی واقعہ قرآن مجید میں بھی بیان ہوتا تو اس کا شمار "متشابہات" میں ہوتا اور اس کا اتباع اور اس سے استناد کرنے والے اللہ کے فیصلہ کے بموجب "اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ" کے مصداق ہوتے، چہ جائیکہ وہ نہ قرآن میں ہی نہ حدیث میں نہ "روایات و آثار" کی کسی کتاب میں!!

اس سلسلہ میں میرے ایک مخدوم اور نہایت محترم بزرگ کے "حکیمانہ طریق اصلاح و ارشاد" کا حوالہ بھی دیا گیا ہی، اگرچہ اس قسم کے مسائل میں میں اس طرز عمل کو اصولاً صحیح نہیں سمجھتا، اور میرا عقیدہ ہی کہ جس فعل کا غلط اور "حرام و فسق" ہونا ہمکو شریعت سے معلوم ہو، اگر اپنی کسی "خوش فہمی" کی وجہ سے ہم اُسکے مرتکب ہو جائیں تو آخرت میں اپنے کسی بزرگ کے طرز عمل کا حوالہ دے کر اللہ کی گرفت سے ہم چھوٹ نہیں سکیں گے (بلکہ ان بزرگوں ہی کی تعلیم و صحبت کی برکت سے بفضلہ تعالےٰ یہ ناچیز اتنی جرأت بھی اپنے اندر پاتا ہی کہ اگر خود ان بزرگوں سے بھی کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جس سے دوسروں کے بھی گمراہ ہوجانے

[1] اہل علم کو معلوم ہوگا کہ مثنوی کی بہت سی حکایات "افسانہ" "کلیلہ و دمنہ" کے قبیل کی ہیں ۱۲ منہ

اندیشہ ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے انکو بھی اسی طرح ٹوک دونگا) بہرحال اگرچہ یہ طریقہ خود میرے نزدیک صحیح نہیں ہے لیکن اگر ہمارے وہ "محترم" اس پر مطمئن ہیں تو میں عرض کرتا ہوں کہ پھر دور از کار اور موضوع سے غیر متعلق اشارات سے کام لینے کی کیا ضرورت بحمد اللہ وہ بزرگ (حضرت تھانوی مدظلہ) اس دنیا میں موجود ہیں پوری چیز اور اصل معاملہ بجنسہٖ اُن کی خدمت میں پیش کر کے استصواب کیا جا سکتا ہے اور اگر اس میں کچھ زحمت ہو تو پھر حضرت مولانا مدظلہ ہی کی ایک تحریر جو مسئلہ زیر بحث پر ہو بہو منطبق ہے یہ عاجز پیش کرتا ہے۔

آج سے پانچ سال پہلے ۱۳۵۵ھ میں خود راقم سطور نے حضرت مولانا مدظلہ سے چند سوالات کیے تھے حضرت ممدوح نے انکا جواب کسی قدر تفصیل سے ارقام فرمایا تھا، جو اسی زمانہ میں رسالہ "النور" تھانہ بھون میں غالباً "تحقیق" کے عنوان سے شائع بھی ہو گیا تھا، اس کی چند سطریں یہ ہیں جو میں اصل مکتوب گرامی سے نقل کر رہا ہوں،

"معصیت ہر حال میں معصیت ہی ہے تحسین نیت سے مباح یا طاعت نہیں ہو جاتی، آیات و روایات قویہ بلا کا اطلاق اس کی کافی دلیل ہے مگر اس کی تنویر کیلیے حضرت مولانا گنگوہی کی ایک ارشاد فرمودہ مثال یاد آگئی کہ اگر کوئی شخص ناچ رنگ کی محفل اس نیت سے منعقد کرے کہ نمازی اذان سن کر تو آتے نہیں ناچ دیکھنے کیلیے جمع ہو جاوینگے، پھر سب کو مجبور کر کے نماز پڑھوا دونگا، تو کیا کوئی شخص اس نیت سے ناچ کرانے کو جائز کر سکتا ہے بلکہ معصیت میں طاعت کی نیت قواعد شرعیہ کی رو سے زیادہ خطرناک ہے جیسے حرام چیز پر بسم اللہ کہنے کو فقہاء نے قریب بکفر کہا ہے" انتہی بلفظہ)

پس اگر حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کی تصریح ہی ان "محترم" کو مطمئن کر سکتی ہے تو لیجیے وہ بھی حاضر ہے ورنہ خود میرا اس باب میں جو مسلک ہے وہ میں عرض کر چکا ہوں و بہ ادین اللہ یوم یقوم الناس لرب العالمین ہ

آخر میں پھر گزارش ہے کہ چونکہ وہ "محترم" اپنی ایک افسوسناک اور خطرناک غلط فہمی کو اب ایک مستقل اصول کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں اور اپنے اخبار کے ذریعہ دوسروں کو بھی اسکی صحت باور کرانے کی مسلسل اور طرح طرح سے کوشش فرما رہے ہیں اور انکی بزرگی کی وجہ سے لوگ ان سے متاثر بھی ہو رہے ہیں اور میں دیانتداری کے ساتھ اس کو ضلالت سمجھتا ہوں اسلیے خاموشی کو جرم سمجھکر بادلِ ناخواستہ آج بھی یہ چند سطریں لکھی ہیں اور خدا ہی جانتا ہے کہ کس حال کے ساتھ لکھی ہیں بین السطور میں صرف انہی چیزوں سے تعرض کیا ہے جو میرے نزدیک کسی کیلیے غلط فہمی کا موجب ہو سکتی تھیں باقی زہر و تریاق کی سی مثالوں اور لطیفوں سے تعرض کرنیکی ہمیں ضرورت نہیں سمجھی کہ شرعی حیثیت سے مسائل میں یہ چیزیں لا یعبأ بہ ہیں۔

(بعد کا اضافہ)

["سینما بینی کے قضیہ" پر جو کچھ اس اشاعت کیلیے لکھا تھا (ناظرین کرام جو گزشتہ صفحات میں لاحظہ فرما چکے) "الفرقان" کے کاتب صاحب اس کی کتابت سے فارغ ہوئے تھے کہ "ان محترم" (صاحب واقعہ کا اخبار) ایک نیا اور قابلِ توجہ استدلال لے کر آ گیا۔ ضروری معلوم ہوا کہ تکمیل بحث کیلیے اسی جگہ اُس کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔]

استدلال فرمایا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ سے کہ انھوں نے ساحرین فرعون سے مقابلہ کے لیے مصری بت پرستوں کے تہوار یا میلہ کا دن طے کیا، خود بھی مقابلہ کیلیے وہاں تشریف لیگئے اور عوام الناس کو بھی جمع ہونے کی دعوت دی (قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى)

گویا کہ "آنمحترم" یہ سمجھ رہے ہیں اور اس قرآنی بیان کے حوالہ سے دوسروں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ مصری بت پرستوں کے اُس میلہ میں (جو یقیناً سینما سے بدرجہا زیادہ خبائث و مفاسد پر مشتمل ہوگا اور اس لیے اس کی شرکت اور اس کا دیکھنا سینما بینی سے زیادہ اشد ہونا چاہیے) موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغی مقصد سے شرکت فرمائی اور وہ میلہ دیکھا، نیز عوام الناس کو بھی وہاں پہنچنے کیلیے بُلوا دیا،

مگر حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ واقعہ اگرچہ بیسیوں جگہ بیان فرمایا گیا ہے لیکن صراحت درکنار کسی ایک جگہ اس کا کوئی اشارہ بھی نہیں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے مصریوں کے اس مشرکانہ جشن میں شرکت فرمائی اور وہ میلہ دیکھا" ـــــ بلکہ قرآن مجید سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے بلوائے ہوئے ساحروں سے مقابلہ کرنے کیلیے ان کے جشن کا دن (یوم الزینہ) اور دن چڑھے کا وقت (ضحیٰ) طے کیا تھا ـــــ وہاں تو یہ بھی مذکور نہیں ہے کہ اس معرکہ کیلیے اُس میلہ اور جشن کا میدان ہی بحیثیت مقام کے طے ہوا ہو۔ لیکن مجھے اس سے انکار کی ضرورت نہیں، اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ جس مقصد کیلیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جشن کا دن طے کیا تھا اُسی مقصد کیلیے اس کا مقام بھی اس میلہ کے میدان ہی کے کسی حصہ میں یا اس کے

قریب ہی کہیں رکھا گیا ہو اور یہ معرکہ وہیں ہوا ہو، اور حضرت موسیٰ وہیں تشریف لے گئے ہوں، لیکن پھر بھی اس سے اُس "مشرکانہ جشن میں حضرت موسیٰ کی شرکت" اور میلہ کی خرافات و فواحش کا دیکھنا کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس سے "تبلیغی مقصد کیلیے سینما بینی" کا جواز ثابت کیا جا سکے، کیا اس "میلہ کی شرکت" اور اس کے فواحش و خرافات کے نظارہ کے بغیر حضرت موسیٰ کا اس مقام موعود (مکان سوی) تک پہونچنا عقلاً ناممکن ہے؟ ـــــ کیا جناب مستدل کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے کہ مصریوں کا وہ سارا مشرکانہ جسلہ، سینما ہال جیسی کسی محدود اور بند عمارت میں ہوتا تھا اور اسی میں یہ مجلس معرکہ بھی منعقد ہونی قرار پائی تھی اور حضرت موسیٰ جس وقت وہاں تشریف لے گئے تھے تو اُس وقت بھی اس ہال میں ناچ رنگ جیسی خرافات و فواحش کا تماشا ہو رہا تھا اور حضرت موسیٰ نے (معاذ اللہ) اس سب کو ضرور دیکھا تھا؟ ـــــ ظاہر ہے کہ جب تک بے اصل اوہام و مفروضات کی یہ عمارت نہ کھڑی کی جائے "نیک مقصد کیلیے سینما بینی" کے جواز پر اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

کاش حضرت مستدل نے غور فرمایا ہوتا کہ وہ قرآن پاک کا نام لیکر کتنی بڑی بات منہ سے نکال رہے ہیں اور اس کے نتائج کیا اور کتنے دور رس ہو سکتے ہیں؟

باخبر اور حقیقت شناس "حضرات" جو کچھ فیصلہ فرمائیں اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں لیکن ہم جیسے بے خبروں اور ظاہر بینوں کی رائے تو پورے یقین اور وثوق کے ساتھ یہی ہے کہ

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۔

استدلال کا تفصیلی جائزہ لینے کے لیے ناظرین کرام مندرجہ ذیل نکات پر غور فرمائیں، اور واقعہ کے پس منظر کو نگاہ میں رکھیں!

واقعات کا سلسلہ یوں ہے۔

(الف) موسیٰ علیہ السلام نے ایک عجیب و غریب اور خلاف قیاس طریقہ پر فرعون کے گھر میں پہنچ کر پرورش پائی ہے اس لیے ان کی شخصیت مصر میں پہلے ہی سے غیر معمولی شخصیت ہے اور وہ خاص شہرت کے مالک ہیں ـــــ اور یوں بھی انبیاء علیہم السلام آغاز شعور ہی سے اپنی ممتاز اور معصومانہ سیرت کی وجہ سے اچھی شہرت کے مالک ہوتے ہیں۔

(ب) حضرت موسیٰ جب جوان ہو گئے ہیں تو مصر کے اسرائیلی باشندوں کی غلامی اور مظلومیت کے احساس نے اُن سے کچھ ایسے خاص کام بھی کرائے ہیں جن کی وجہ سے مصری شہنشاہیت اور عام قبطیوں کی نگاہوں میں وہ کھٹکنے لگے ہیں، اور ان کو شاہی اقتدار کا حریف سمجھا جانے لگا ہے یہاں تک کہ اسی قبطی اور اسرائیلی قضیہ کی بنا پر وہ مصر کو خیر باد کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور برسہا برس مصر سے غائب رہتے ہیں۔

(ج) عرصہ دراز کے بعد وہ منصبِ نبوت سے سرفراز کر کے مصر بھیجے جاتے ہیں اور سب سے پہلے شاہی دربار میں پہونچکر فرعون ہی کو اللہ کا پیغامِ حق پہونچاتے ہیں، وہ ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور کسی نشان (معجزے) کا مطالبہ کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ وہیں دربار میں اپنے عصا اور ید بیضا کا اعجاز دکھاتے ہیں۔

(د) خاص شاہی دربار میں حضرت موسیٰ کی اس حقانی دعوت اور معجزات کی بیّن شہادت کے ظہور سے مصر کی فرعونیت خطرہ میں پڑ جاتی ہے، فرعون سخت پریشان اور فکرمند ہوتا ہے کبھی ان کو دھمکیاں دیتا ہے اور کبھی اپنے آدمیوں کو مختلف حیلوں سے مطمئن کرنا چاہتا ہے اور بالآخر اپنے درباریوں سے مشورہ کرنے کے بعد کہتا ہے کہ "کچھ نہیں! تم لوگ (موسیٰ و ہارون) جادوگر ہو اور تم نے اللہ کا نشان بتا کر جس چیز کا مظاہرہ کیا ہے وہ صرف جادو کا کرشمہ ہے، ہم بھی اپنے جادوگروں کو بلواتے ہیں اُن سے تمھارا مقابلہ ہوگا، تم ہی اپنی طرف سے اس کے لیے دن تاریخ مقرر کرو!"

(ہ) حضرت موسیٰ نے اس چیلنج کو قبول کر لیا اور قریبی زمانہ میں مصریوں کے تہوار کا جو بڑا دن آنے والا تھا وہی دن اس معرکہ کے لیے طے ہوا (قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَن يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى)۔

زیر بحث واقعہ کے متعلق ان تفصیلات کو سامنے رکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس واقعہ نے مصر میں کیسی ہل چل ڈال دی ہوگی اور لوگوں کی نظروں میں اس معرکہ کی کتنی غیر معمولی اہمیت ہو گئی ہوگی ابھی صرف اسی نتیجہ کو ذہن میں رکھیے اور آگے چلیے!

(و) حضرت موسیٰ کو چونکہ اللہ کے وعدۂ نصرت پہ بھروسہ اور غلبۂ حق کا یقین ہے اور اسی یقین کے ساتھ ان کو امید ہے کہ سحر و جادو کا پروپیگنڈا کر کے ان کی دعوت کو بے اثر بنانے اور

ان کی صداقت کو مشتبہ کرنے کی جو پُر فریب کوشش فرعون اور اس کے حواریوں کی طرف سے کی گئی ہے اس معرکہ میں اُس کا پردہ چاک ہو جائے گا اور سحر و معجزہ کے فرق کو لوگ برائی العین دیکھ لیں گے۔

اس لیے ان کی بھی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس معرکہ میں جمع ہوں۔ اسی واسطے وہ مصری قوم کے جشن کا دن اس معرکہ کیلیے مقرر فرماتے ہیں کیونکہ بوجہ تہوار اُس دن روزمرّہ کے مشاغل سے لوگوں کو عموماً فرصت ہوگی اور ان کیلیے وہاں جمع ہونا آسان ہوگا، نیز لوگوں کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی زبانی فرمایش بھی فرعون سے فرماتے ہیں (وان یحشر الناس یعنی لوگوں کو اکٹھا کیا جائے)

(نمبر) دوسری طرف فرعون اس غلط فہمی میں ہے کہ جب بڑے بڑے ماہر جادوگروں سے موسیٰ کا مقابلہ ہوگا تو موسیٰ کو ضرور شکست ہوگی (کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر فرعون کو یہ غلط فہمی نہ ہوتی بلکہ اس کو اپنی فتح و شکست کے بارہ میں کچھ بھی دغدغہ ہوتا تو وہ ساحروں سے برسرِ عام مقابلہ کی تجویز ہی پیش نہ کرتا اور علیٰ رؤس الاشہاد اس فیصلہ کن معرکہ کی نوبت ہی نہ آنے دیتا) بہرحال فرعون اس واقعہ میں جس رفتار سے چل رہا ہے اُس سے ظاہر ہے کہ اس کو بھی اپنے ساحروں کی فتح پر گویا کامل یقین ہے، اور خود ان جادوگروں نے بھی اس کو اپنی فتح کی طرف سے پورا یقین دلا دیا ہے حتیٰ کہ پیشگی ہی انعام کی بات چیت بھی طے ہو گئی (ائن لنا لاجرا ان کنا نحن الغالبین۔ قال نعم وانکم اذا لمن المقربین) اور مقابلہ کے وقت بھی ان ساحروں نے بڑے اعتماد سے کہا ہے کہ "خداوند فرعون کی عزت و اقبال کی قسم ہم ہی غالب رہیں گے"۔ (قالوا بعزۃ فرعون انا لنحن الغالبون)

پس فرعون کو، چونکہ اپنے ساحروں کی فتحمندی اور حضرت موسیٰ کی شکست کا یقین ہے بنا بریں حضرت موسیٰ کی دعوت کے زور کو دبانے اور اس کو بے اثر بنانے کیلیے اس کی بھی یہ خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ مخلوق اس معرکہ میں شریک ہو کر ہمارے ساحروں کے مقابلہ میں موسیٰ کو مغلوب ہوتا ہوا دیکھے چنانچہ اس نے قوم کے بیش از بیش اجتماع کے لیے ایک خاص اپیل بھی کی ہے (وقیل للناس هل انتم مجتمعون ۝ [اور فرعون کی طرف سے بطور اعلان عام کے لوگوں کو یہ اشتہار دیا گیا کہ کیا تم لوگ جمع ہوگے یعنی جمع ہو جاؤ] (ترجمہ حضرت تھانوی)

(ح) اسی کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھیے کہ فرعون، مصر کا ایک قاہر فرماں روا بلکہ مصریوں کا معبود اور دیوتا بھی ہے، اور یہ بھی بالکل قرینِ قیاس ہے کہ مصریوں کا جو تہوار یا جشن ہونے والا ہے اس کا پروگرام فرعون ہی کے اختیار میں ہوگا، اور جبکہ اس کی یہ خواہش معلوم ہو چکی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ

اس معرکہ کو دیکھیں تو قیاس چاہتا ہے کہ اس روز میلہ اور جشن کی دوسری عام تفریحات اور فواحش و خرافات کو پروگرام میں رکھا ہی نہیں گیا ہوگا۔ اور سارا میلہ سمٹ کر اس معرکہ ہی کو دیکھنے آگیا ہوگا۔

اور اگر بالفرض فرعون نے کوئی ایسا حکم جاری نہ بھی کیا ہو تب بھی یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ مذکورہ بالا وجوہ سے اس معرکہ نے جو غیر معمولی اہمیت حاصل کر لی تھی اور جو عام ہل چل لوگوں میں پیدا کر دی تھی اور جو عظیم الشان نتائج اس معرکہ سے وابستہ تھے ان کی وجہ سے عوام الناس کی توجہ کا مرکز بھی اس دن حضرت موسیٰ اور ساحرین فرعون کا یہ معرکہ ہی ہو گیا ہوگا اور اس روز میلہ کی دوسری تفریحات و خرافات یا تو حکماً بند کر دی گئی ہوں گی ورنہ کم از کم اس معرکہ کے وقت وہ آپ سے آپ ہی سرد پڑ گئی ہوں گی اور کوئی ان کا دیکھنے والا ہی نہ رہا ہوگا۔

الحاصل مندرجہ بالا مقدمات کو سامنے رکھ کر یہ چیز بالکل قرینِ قیاس بلکہ قریب بہ یقین معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت سارا میلہ سمٹ کر اس میدان معرکہ ہی میں آگیا ہوگا اور اس مشرکانہ میلے کے وہ سارے کھیل تماشے، اور فواحش و خرافات کے مظاہرے (جنکو "علتِ جامعہ" قرار دے کر نیک نیتی سے سینما کی فواحش بینی، کا جواز ثابت کیا جا رہا ہے) اس وقت بالکل بند رہے ہوں گے کجا کہ حضرتِ موسیٰ کی اس میلہ میں شرکت اور ان فواحش و خرافات کو دیکھنے کا بلا دلیل دعوےٰ اور اس پر آج کل کی سینما بینی کا قیاس!*

اور اگر ان تمام قرائن سے قطع نظر کر کے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اس دن اور اس وقت بھی میلہ کی دوسری تمام تفریحات اور فواحش و خرافات اپنی اپنی جگہ پر ہو رہی ہوں گی تب بھی ان میں حضرت موسیٰ کی شرکت کا دعویٰ بالکل بے دلیل بلکہ عقل و خرد کے عام فیصلہ کے بھی خلاف ہے۔ اور قرآن مجید سے اس کے اثبات یا استنباط کی کوشش سخت حیرت انگیز،..... !

اور اگر واقعہ کے صرف اس حصہ سے استدلال کیا جائے کہ اس مجلس معرکہ ہی میں ساحرون نے اپنی ساحری کے کرشمے دکھائے اور حضرت موسیٰ نے دیکھے بلکہ خود ان سے فرمایش کی کہ "اَلْقُوا مَا اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ" (اپنے جیو اور تکو جو چلنے ہوں چلو اور جو کرتب کرشمے دکھانے ہوں سامنے لاؤ) تو یہ استدلال بھی قطعاً غلط ہو گا

(بقیہ صفحہ ۴۳ پر ملاحظہ ہو)

خارجی قرائن سے کام لینے کی ضرورت بھی نہیں رہتی ——— امید ہے کہ حضرات اہل علم اگر بہ تعمق نظر سے کام لینگے تو اس مجمل اشارہ سے ماننا و ماعلیہ کو سمجھ کر انشاء اللہ محظوظ اور مطمئن ہوں گے۔ افسوس اس جگہ میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے ورنہ تفسیر کا مادہ تھا قابل توضیح و تفصیل ۱۲ منہ

"تھوڑے وقت میں عربی تعلیم" کے چند اصول

مدیر الفرقان کا ایک خط

["الفرقان" کی گزشتہ اشاعت میں "مختصر راستے اور تھوڑے وقت میں عربی تعلیم" کے متعلق اپنے تجربات کے حوالے سے اس ناچیز نے جو کچھ لکھا تھا، اس طریق تعلیم کی توضیح و تفصیل کے مطالبہ کے سلسلہ میں پچھلے دو مہینے میں احباب کرام کے بکثرت خطوط آئے، جن میں سے صرف بعض کا جواب کسی قدر تفصیل سے دیا جا سکا، انہی میں سے ایک صاحب علم دوست کے گرامی نامہ کا جواب جو قدرے مفصل تھا تعمیم فائدہ کیلیے آج ہدیہ ناظرین کرام ہے۔ مدیر]

محترمی! زیدت مآثرکم

سلام مسنون

" " " " " " " " " " " " " "

اسی عرصہ میں اور بھی بہت سے خطوط اسی مقصد سے میرے پاس آئے ہیں اور چونکہ فرداً فرداً ہر ایک کو پوری تفصیل سے جواب لکھنا مشکل ہے بلکہ خواہ کتنا ہی طویل کیوں نہ لکھا جائے اس قسم کی ضروریات کیلیے وہ کافی نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے اب میں نے یہ طے کیا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ "الفرقان" ہی میں اب پوری تفصیل کے ساتھ اس سلسلہ کے اپنے مشورے اور تجربے عرض کروں گا، بلکہ اب تو چند روز سے یہ بھی خیال ہو رہا ہے کہ خدا توفیق دے تو صرف اصولی طریقہ کار کی توضیح و تشریح ہی پر اکتفا نہ کروں بلکہ دو مہینے کے ان اسباق کو بھی مدون کر دوں جن کو میں درس قرآن کے آغاز کیلیے کافی سمجھتا ہوں اور جن کے ذریعہ میرے تجربہ میں عربی اتنی آجاتی ہے کہ اس طریقہ کا متعلم اس کے بعد عربی خواں طلبہ کی طرح سمجھ بوجھ کر قرآن کا درس لے سکتا ہے، اور سلیس و آسان عربی کا ترجمہ کر سکتا ہے، مطلب سمجھ لے سکتا ہے ——— لیکن کیا عرض کروں محرومِ الفرصتی سے لاچار رہتا ہوں جو

مستقل کام ذمہ لے رکھے ہیں ان کو پورا کرنا ہی ہمیشہ مشکل رہتا ہے اسی لیے بہت سے دوسرے ضروری کام سوچتا ہوں اور ان کی اہمیت کو بھی خوب سمجھتا ہوں، انجام دینے کا ارادہ بھی کرتا ہوں لیکن مہینوں تک شروع کرنے کا بھی موقع نہیں ملتا، اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ ان اسباق کی تدوین کا کام کب انجام کو پہونچ سکے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ یہ کام مجھ سے جلد ہی لے لے وما ھو علیہ بعزیز۔

بہرحال اس باب میں میرے طریقہ کار سے تفصیلی واقفیت کیلیے تو اس وقت تک انتظار فرمایئے کہ میں جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں وہ لکھا جائے اور "الفرقان" میں شائع ہو جائے۔ سردست مختصراً چند اشارات کرتا ہوں، آپ جیسے ذی علم اور کام کا صادق جذبہ رکھنے والے حضرات انشاء اللہ ان اشارات ہی سے بہت کچھ کام لے سکتے ہیں،

جو حضرات اس طریق پر دین کی خدمت اور علم دین کی اشاعت کرنا چاہیں انھیں پہلے یہ چند حقیقتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں، تاکہ اس کام کی سہولت اور آسانی پہلے خود ان کو یقین ہو جائے اور راہ اُن کیلیے روشن ہو جائے۔

(۱) ہمارا دینی لٹریچر جس عربی زبان میں ہے، بالخصوص قرآن وحدیث اور ان کی تفاسیر و شروح میں جو عربی زبان استعمال کی گئی ہے، اُس زبان کا بیشتر حصہ اُس کے اسماء اور افعال ہیں حروف بہت تھوڑے ہیں، یعنی سیکڑوں بھی نہیں ہیں، اس لیے ان کے معنی محفوظ کر لینا زیادہ مشکل نہیں ہے

پھر اسماء و افعال کا قریباً پورا نصف حصہ یعنی تقریباً پچاس فی صدی علمی اُردو میں کسی نہ کسی شکل میں مستعمل ہے، ——— مثلاً سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات ہی پر اس حیثیت سے غور فرمایئے اس کے اسماء و افعال یہی تو ہیں،

ذالک کتاب ریب ھدی متقین یومنون غیب یقیمون
صلوٰۃ رزقناھم ینفقون الذین اُنزل قبل آخرۃ یوقنون
اولئک ھدی رب ھم المفلحون،

ان میں جو اسماء اشارہ یا اسماء موصولہ یا ضمائر ہیں وہ تو بیشک اُردو میں مستعمل نہیں ہیں، بلکہ یہ بات اصول کے طور پر ملحوظ رکھنی چاہیے کہ مبنی اسماء اُردو میں مستعمل نہیں ہیں، تو ان جزئیات

کو چھوڑ کر باقی جو الفاظ آئے ہیں شاید ان میں سے کوئی لفظ ہی ایسا ہو جو کسی نہ کسی صورت و ہیئت سے اُردو میں مستعمل نہ ہو۔

کتاب، ریب، ھدًا آیت، متقی اور تقویٰ، ایمان، غیب، قیام، قائم، اقامت صلوٰۃ، رزق، نفقہ، نزول، نازل، انزال، قبل، آخرت، یقین، ایقان، رب، فلاح آخر یہ سب ہی تو اُردو میں مستعمل ہیں۔ ——— میں نے اس نظر سے قرآن پاک کو خوب کھنگالا ہے اور میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ قرآن پاک کے بیشتر حصہ کا یہی حال ہے کہ اس میں جو افعال اور اسماء (معربہ) مستعمل ہیں ہمارے اوسط درجہ کے اُردو دانوں کو بھی اُن میں سے قریباً پچاس فیصدی کے معنی معلوم ہیں اگرچہ ان کو اور خود ہم کو بھی اس حقیقت کا شعور نہیں ہے۔

(۲) عربی کے ایک مصدر سے سیکڑوں صیغے بنتے ہیں جن کے اوزان متعین، اور قواعد کلیہ معلوم و منضبط ہیں، پھر ایک ہی مادہ کبھی کبھی چند بابوں میں مستعمل ہوتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ہمارے متعلم کو صیغوں کی ہیئت اور پھر بابوں سے کچھ مناسبت ہو جائے تو اصل مادہ کے ایک لفظ کے معنی معلوم ہو جانے سے اس کو سیکڑوں بلکہ بلا مبالغہ ہزاروں مستعمل لفظوں کے معنی معلوم ہو جاتے ہیں مثلاً ایک شخص کو "علم" کے معنی (جاننا) معلوم ہیں، تو صیغوں اور بابوں کی واقفیت کے بعد وہ "علم" سے نکلے ہوئے تمام مشتقات کے معنی جان لیتا ہے جن کی تعداد یقیناً ہزاروں تک پہنچی ہے، ماضی، معروف، مجہول، مثبت، منفی، بعید، قریب، وغیرہ وغیرہ کے سیکڑوں صیغے۔ علیٰ ہذا، مضارع، مثبت و منفی، معروف و مجہول، پھر مثبت مؤکد، منفی مؤکد، منفی بلم، منفی بلمّا وغیرہ وغیرہ کے سیکڑوں صیغے اسی طرح امر و نہی، اور فاعل و مفعول کے تمام صیغے ——— پھر اسی تفصیل کے ساتھ اِعلام، تعلیم، تعلّم، استعلام وغیرہ ابوابِ مزید کے تمام صیغے جن کا شمار یقیناً ہزاروں تک پہنچیگا، غرض صرف "علم" کے معنی معلوم ہونے کے بعد اور اس سے مشتق ہونے والے صیغوں کی ہیئتوں سے واقف ہونے کے بعد ہزاروں مستعمل لفظوں کے معنی معلوم ہو جاتے ہیں۔ اب یہی ہمارا خاص کام ہے کہ ان صیغوں اور بابوں کی معرفت و شناخت کو ہم اپنے ان متعلموں کیلیے خوش تدبیری اور حکمت سے آسان کر دیں کہ اُن کے دماغ اس کا غیر معمولی بوجھ محسوس نہ کریں اور نہ قدیم طرز کے مطابق اِن کو صیغوں اور گردانوں کی رٹائی کرنی پڑے۔ اور بحمد اللہ میرے

میرے تجربہ میں یہ مشکل مرحلہ بھی بہت آسان ہوگیا ہی، میں نے اس کیلیے جو راہ اختیار کی ہو اسکی تفصیل تو اُن اسباق ہی سے معلوم ہوگی جن کو مدون کرکے "الفرقان" میں بھی شایع کردینے کا اب ارادہ ہی ــــ لیکن صرف اتنا اشارہ اس سلسلہ میں یہاں بھی کردیتا ہوں کہ میں گردانوں کی رٹائی کے بجائے جملوں کی شکل میں، صیغوں کے استعمال کی مشق زیادہ کراتا ہوں تعلیم یافتہ لوگوں کی طبیعت پر اول تو اس سے گردانوں کی رٹائی والا بار بالکل نہیں پڑتا، اور گردانوں کے چکر سے جو وحشت بہت سوں کو ہوجاتی ہی میں نے تجربہ کیا ہی کہ وہ اس طریقہ سے بالکل نہیں ہوتی بلکہ جملوں کے مشق ہی کے ذیل میں ان کو صیغوں کی پوری معرفت حاصل ہوجاتی ہی ــــ مثلاً میں جب دن ان متعلموں کو ماضی کے صیغوں سے روشناس کراتا ہوں تو اُسی دن ایسے جملے دیدیتا ہوں جن میں ماضی کے ان تمام صیغوں کا استعمال ہوتا ہی، میرا تجربہ ہی کہ بس ان جملوں کے بار بار استعمال اور ان میں غور و فکر ہی سے صیغوں کی پوری معرفت ان کو ہوجاتی ہی اور رٹائی بالکل کرنی نہیں پڑتی، ابتدائی عربی تعلیم کی تسہیل کے سلسلہ میں جو چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابیں پچھلے چند برسوں میں شایع ہوئے ہیں اُن میں سے مولوی مشتاق احمد صاحب چرتھاولی کے "عربی زبان کے قاعدہ" میں بھی کچھ یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہی، اگر وہ کہیں دستیاب ہوجائے تو اس کو بھی دیکھ لیا جائے لیکن صرف اصول اور طریقہ اُس سے لیا جائے مگر اس کے مشقیہ جملوں پر اکتفا نہ کیا جائے ــــ

بہر حال میرا تجربہ ہی کہ جملوں میں صیغوں کے استعمال ہی سے بغیر رٹائی کے صیغوں کی معرفت حاصل ہوجاتی ہی، اور اس طرز سے ایک دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہی کہ متعلم پہلے ہی دن محسوس کرتا ہی کہ وہ عربی زبان کے جملے سمجھنے اور پڑھنے لگا یہ چیز اس کی ہمت افزائی کرتی ہی اور یاس کو اسکے پاس نہیں آنے دیتی

---

(۳) عربی صرف میں تعلیل کا مسئلہ بھی مبتدیوں کیلیے ایک سخت مشکل مرحلہ ہی، میں ابتداءً تعلیل کے قواعد سے ان متعلموں کو بالکل روشناس نہیں کراتا، بلکہ شروع شروع کام یوں چلاتا ہوں کہ جس طرح مجھے مثلاً ماضی کے صیغے فَعَلَ فَعِلَ فَعُلَ بتلانے پڑتے ہیں اسی طرح سادگی کے ساتھ میں ماضی کا ایک وزن ان کو قَالَ (قال . باع) بھی بتلادیتا ہوں، علیٰ ہذا مضارع بھی یَفْعَلُ، یَفْعِلُ، یَفْعُلُ کے ساتھ ہی یفعول اور یفیل بھی، (یقول، یبیع) بغیر کسی تفصیل کے بتا دیتا ہوں ــــ متعلمین کو اس طرح سمجھ لینے میں

متعلق دقت نہیں ہوتی اور ان میں اتنا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جب ایسا صیغہ آتا ہے تو اس کے سمجھنے میں وہ غلطی نہیں کرتے ۔۔۔ پھر کچھ دنوں بعد میں ان کو بتلا دیتا ہوں کہ دراصل یہ صیغے کس طرح تھے اور کس اصول کے ماتحت اُن میں یہ تبدیلی ہوئی ہے، اِس موقع پر ان کو یہ سمجھنا بعید از قیاس نہیں ہوتا۔

(۴) نحوی مسائل کے متعلق یہ بات ہمیں ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جن قواعد کی عام طور سے اور روزمرہ کے مطالعہ میں ضرورت پڑتی ہے ان کی تعداد بہت کم ہے، اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ ہماری متوسط درجہ کی درسی کتابوں میں، مثلاً ہدایۃ النحو میں بھی نحو کے جتنے مسائل ہیں تو ان میں سے قریباً نصف سے زیادہ وہ ہیں جن کے استعمال کا موقعہ شاذ و نادر ہی آتا ہے اور اس لیے صرف و نحو کے درس کا مشغلہ نہ رکھنے والے اہل علم کو بھی عام طور سے وہ مستحضر نہیں رہتے ہیں، بلکہ ہم لوگوں کو بھی عموماً صرف وہی قواعد یاد رہتے ہیں جو روزمرہ استعمال میں آتے رہتے ہیں لیکن بایں ہمہ مطالعہ اور کتابوں سے استفادہ میں بحمد اللہ کوئی رکاوٹ نہیں پڑتی ۔۔۔ میں خود اس کی ایک مثال ہوں، چونکہ تعلیم و تدریس کا مشغلہ چھوڑے مجھے قریباً بارہ (۱۲) برس ہو چکے ہیں اور اس لیے بالخصوص صرف و نحو کی کتابیں دیکھنے کی مجھے نوبت ہی نہیں آتی ہے اس لیے میری حالت اب یہ ہے کہ صرف و نحو کے جو مسائل علم الصیغہ و فصول اکبری، اور ہدایۃ النحو یا کافیہ وغیرہ میں پڑھے پڑھائے تھے غالباً ان کا بیشتر حصہ اب مجھے مستحضر نہیں رہا ہے بلکہ صرف وہی مسائل و قواعد یاد رہ گئے ہیں جن سے ہر وقت واسطہ پڑتا رہتا ہے، لیکن اس کے باوجود بفضلہ تعالیٰ ہر قسم کی عربی کتابوں کے مطالعہ میں مجھ جیسوں کو بھی کوئی دقت اور رُکاوٹ محسوس نہیں ہوتی، تو میں اپنے اس تجربہ سے اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ ہمارا دینی لٹریچر سمجھنے کی صلاحیت کیلیے نحو کے صرف انہی مسائل سے واقفیت کافی ہے جن سے ہمارا روزمرہ واسطہ رہتا ہے، اور عرض کر چکا ہوں کہ ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے نیز وہ سہل الفہم بھی ہیں ان کے علاوہ جو قواعد ایسے ہیں کہ وہ شاذ و نادر استعمال میں آتے ہیں، تو جب درس قرآن و حدیث میں ان کے استعمال کا کوئی موقع آئے، اُن کو وہاں بتلایا جا سکتا ہے، غرض اس اصول کو پیش نظر رکھ کر نحو کا مرحلہ بھی بہت کچھ آسان ہو جاتا ہے،

(۵) ایک اصول جس کو اس طریق تعلیم میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ صرف و نحو کے مجرد قواعد، قواعد ہی کے طور پر نہ بتلائے جائیں بلکہ جب کوئی صرفی یا نحوی قاعدہ بتلایا جائے

تو متعدد مثالوں سے اس کے اجراء کی مشق اسی کے ساتھ کرائی جائے، اور حتی الوسع اس کا اہتمام کیا جائے کہ آج جس قاعدہ کی مشق کرائی گئی ہے آئندہ اسباق کی امثلہ میں بھی کسی نہ کسی طرح اس کا اعادہ کبھی کبھی ضرور ہوتا رہے ـــــ مثلاً آج آپ نے اپنے متعلمین کو بتلایا کہ عربی میں فاعل مرفوع ہوتا ہے اور مفعول بہ منصوب، اور امثلہ کے ذریعہ اس کی مشق کرائی، تو کل کے سبق میں جب آپ مثلاً مفعول مطلق اور مفعول لہٗ کا اعراب ان کو بتائیں تو ان کی مثالوں میں بھی فاعل اور مفعول بہ کے استعمال کا التزام کریں اور متعلمین کو اس پر متنبہ بھی کیا جائے۔ یہی چیز ان کو رٹائی سے بے نیاز کر دے گی اور آپ دیکھیں گے کہ ان کی عربی فہمی کی استعداد انشاء اللہ حیرت انگیز طریقہ پر یوماً فیوماً ترقی کرے گی ـــــ غرض جہاں تک ممکن ہو اس اہتمام والتزام کو نباہا جائے نیز جہاں تک ہو سکے مشق کیلیے مثالوں کا انتخاب قرآن مجید اور احادیث سے کیا جائے اور اگر مثالیں خود ہی وضع کرنی پڑیں تو بھی معنوی افادیت اور تعلیم حکمت و نصیحت کا پہلو بھی ان میں ملحوظ رکھا جائے یعنی ضرب زید عمرواً کی سی مثالوں ہی سے کام نہ چلایا جائے۔

(۶) یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس طریقہ پر اتنی تھوڑی مدت میں تعلیم صرف ایسے لوگوں کو دی جا سکتی ہے جن کی اردو، یا فارسی (یا انگریزی) کی باقاعدہ تعلیم اچھی خاصی ہوئی ہو ـــــ یہ لوگ صرف و نحو کی عام اصطلاحات سے عموماً واقف ہی ہوتے ہیں مثلاً اسم، فعل، حرف، مصدر، فاعل، مفعول کی قسم کی چیزوں کی فی الجملہ معرفت ان کو حاصل ہوتی ہے، تو ان کو ہر چیز کی حقیقت پہلے ان کی جانی ہوئی زبان کی مثالوں سے ذہن نشین کرائی جائے مثلاً اسم، فعل، حرف، فاعل، مفعول، ماضی، مضارع، امر، نہی، اسماء اشارہ، ضمائر وغیرہ وغیرہ اس قسم کی تمام چیزوں کی حقیقت سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کیلیے آپ پہلے اسی زبان کی مثالوں سے کام لیں جس کو وہ جانتے ہیں اس کے بعد ان چیزوں کے متعلق عربی کے جو مخصوص قواعد و ضوابط آپ کو بتلانے ہوں وہ بتلائیں اور امثلہ سے ان کی مشق کرائیں، اس طرح تفہیم و تفہم میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔

(۷) اس طریق پر تعلیم دینے کی بہتر صورت تو یہ ہے کہ کوئی کتاب درسی کتاب کے طور پر متعلمین کے زیر درس نہ ہو بلکہ جو کچھ آپ کو ایک دن کے سبق میں بتلانا ہے آپ پہلے خود غور و فکر کر کے اس کو نوٹ کر لیجیے اور اسی طرح زبانی بتلائیے، اور متعلمین کو نوٹ کرائیے۔

(۸) اس طریقۂ تعلیم میں "تختہ سیاہ" (بلیک بورڈ) سے کام لینے کی بہت ضرورت ہے بلکہ اس کے بغیر کام ہی نہیں چل سکتا، جو مثالیں آپ کو مشق کیلئے دینی ہوں آپ خود ان کو "تختہ سیاہ" پر خوشخط لکھئے، اور متعلمین کو ہدایت کیجیے کہ وہ اس کو اپنی کاپیوں پر نقل کرلیں، تجربہ ہے کہ تختہ سیاہ کے بغیر اس "غیر کتابی طریق" پر تعلیم حاصل کرنے والوں کو عربی رسم الخط کی خصوصیات سے واقفیت نہیں ہوتی، اور یہ بہت بڑی خامی رہ جاتی ہے۔

(۹) جو حضرات اس کام کو اس طرح کسی کتاب کے بغیر نہ چلا سکیں تو ان کے لیے ایک صورت یہ ہے کہ وہ مندرجہ بالا مشوروں کو ملحوظ رکھتے ہوئے متعلمین کو پہلے مولوی مشتاق احمد صاحب چرتھاولی کا "عربی زبان کا قاعدہ" پڑھائیں، اس کے بعد "مرقاۃ العربیہ" کے تینوں حصے بالترتیب پڑھاویں، تو بھی درس قرآن کی صلاحیت متعلمین میں انشاء اللہ پیدا ہوسکتی ہے اور اس کام میں بھی چھ مہینے سے زیادہ صرف نہ ہوں گے۔

(۱۰) اس طرح چھ مہینے کی تعلیم میں، اور میرے معمول پہ طریقہ پر دو مہینے میں متعلمین میں اتنی صلاحیت اور عربی سے اتنی مناسبت انشاء اللہ پیدا ہوجائے گی کہ وہ سلیس عربی کو خود سمجھنے لگیں گے اور اعراب بھی بڑی حد تک صحیح پڑھنے لگیں گے، بالخصوص قرآن مجید کا درس عربی خواں طالبعلموں کی طرح لے سکیں گے، یہ مطلب نہیں ہے کہ ان دو مہینوں یا چھ مہینے میں وہ پورے عالم فاضل ہوجائیں گے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ ان میں عربی خواں طلبہ کی طرح سمجھ کر قرآن مجید کا درس لینے کی صلاحیت ہوجائے گی جو درس قرآن کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی رہے گی،

(۱۱) بلکہ اچھا یہ ہوگا کہ دو مہینے (یا چھ مہینے) میں یہ ابتدائی کام ختم کراکے ان لوگوں کو ایک طرف تو قرآن مجید کا درس شروع کرایا جائے (اور انہی سے اس کا ترجمہ نکلوایا جائے اور حسب موقع قواعد کا اجراء بھی کرایا جائے، اور دوسری طرف اسی کے ساتھ اسی طرز پر مولنا اعزاز علی صاحب کی کتاب "نفحۃ العرب" بھی پڑھانی شروع کی جائے ــــــــــ اور قرآن مجید اور "نفحۃ العرب" کے دونوں درسوں میں اس کا التزام کیا جائے کہ اگر کوئی صرفی یا نحوی قاعدہ نیا استعمال میں آئے تو وہ بتلایا جائے بلکہ ان متعلمین کو نوٹ کرایا جائے۔ نیز جو سبق کل آئندہ ہونے والا ہو اس میں جو نئے لغات آنے والے ہوں ابتداءً کچھ روزوں تک اس کا التزام کیا جائے کہ ایک دن پہلے ہی ان لغات

کے معنی ان طلبہ کو بتلا دیے جائیں اور نوٹ کرا دیے جائیں،

پھر جب "نفحۃ العرب" ختم ہو جائے یا معتد بہ مقدار میں ہو جائے تو ان متعلمین کو اس کی جگہ حدیث کا درس شروع کرایا جا سکتا ہے،

لیکن جو متعلمین زیادہ وقت دینے پر آمادہ ہوں، ان کو "نفحۃ العرب" کے بعد اگر "مختارات" پڑھا دی جائے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوگا۔

---

(۱۲) اس طریق تعلیم میں بیحد ضروری ہے کہ نہایت حکمت سے یہ بات ان متعلمین کے ذہن نشین کی جاتی رہے کہ وہ اس معمولی عربی دانی سے نہ مجتہد ہو جائیں گے اور نہ "محقق و مدقق" بلکہ اس کا فائدہ اتنا ہوگا کہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے دین کے اصلی سرچشموں سے ان کو جو بُعد و محرومی ہے وہ نہ رہے گی اور انشاء اللہ کلام اللہ و کلام الرسول کی برکات سے وہ بہرہ ور ہو سکیں گے، لیکن دین میں تحقیق و مہارت کا مقام اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا کہ آدمی اسی کا ہو رہے اور خوش نصیب ہیں وہ جو اپنے لیے یہی فیصلہ کر لیں۔

(۱۳) ایک چیز جو ان تمام باتوں سے اہم و مقدم ہے یہ ہے کہ اس تعلیم کے دینے والوں اور تعلیم حاصل کرنے والوں کے سامنے دین سے واقفیت اور اللہ پاک کی رضامندی حاصل کرنے کے سوا کوئی مقصد نہ ہو، ورنہ محض دردسری ہے اور عند اللہ سب ضائع، جو لوگ اس طریق پر مجھ سے پڑھنے کیلیے آتے ہیں میں ان سے پہلے ہی دن صاف کہہ دیتا ہوں کہ تم میں سے جو کسی یونیورسٹی وغیرہ کے کسی امتحان میں شرکت کے ارادہ سے اس درس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہو تو اس کے لیے میرے درس میں آنا حرام ہے اور میں اسکے لیے اپنا ایک منٹ صرف کرنا بھی روا نہیں سمجھتا میری رائے ہے کہ اس اصول کی شدت سے پابندی کی جائے۔

(۱۴) اس طریق پر جو لوگ ہم سے پڑھنے آئیں انہیں، جو دینی اصلاح کے محتاج ہوں درس کے ساتھ ساتھ حکمت سے انکی دینی اصلاح بھی ہمارا مطمح نظر (بلکہ وہی اول مطمح نظر) ہونا چاہیے — اس سارے سلسلہ تعلیم و تعلم کا اصلی مقصد یہی ہے، باقی جو کچھ ہے سب اسی کیلیے ہے — باوجود محروم الفرصتی کے جواب اچھا خاصا طویل ہو گیا۔ جو جو باتیں جیسے جیسے یاد آتی گئیں سپرد قلم کرتا گیا ہوں، جو ضروری باتیں ابھی بھی رہ گئی ہونگی انشاء اللہ "الفرقان" میں جب اس موضوع پر تفصیل سے لکھنے کا موقع ملیگا انہیں لا سکونگی ۔ والسلام ۔ محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ختمِ قلب!

کیا آدمی دماغ سے سوچتا ہے؟

(از جناب مولانا سید مناظر احسن گیلانی صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی دکن)

پچھلے دنوں اس نظریہ پر کہ فکر و نظر، سوچ بچار اور علم و ادراک کا تعلق انسانی اعضا میں سے صرف دماغ ہی سے ہے "طب جدید" کے ماہروں نے اتنا زور دیا کہ اس مسئلہ نے تقریباً ایک بدیہی مسئلہ کی صورت اختیار کرلی، جگر سے بن بن کر جیسے صفرا کا افراز ہوتا رہتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ دماغ سے بھی فکری موجیں یوں ہی ابھرتی رہتی ہیں، انسانی دماغ کے مختلف زاویوں، اور مقامات پر تخصیصی نقطے لگائے گئے، اور کامل اطمینان کے ساتھ تعین کیا گیا اور کرایا گیا کہ تجرید و انفعال، تاثر، تذکر، اور تصور وغیرہ وغیرہ سارے فکری و ذکری فرائض کا تعلق دماغ کے ان ہی مختلف مراکز سے ہے،

مگر اسی جدید طب میں ایک نیا مکتبِ خیال قائم ہو رہا ہے، مشاہدات پیش کیے جا رہے ہیں مثلاً ڈاکٹر روبنسن کا یہ مشاہدہ پیرس کی علمی مجلس میں پیش کیا گیا کہ ایک آدمی تقریباً ایک سال تک جیتا رہا۔ مرنے کے بعد اس کی کھوپڑی جب پھاڑی گئی تو دماغ کو اس حال میں پایا گیا کہ "مستقل زخم اور گھاؤ بن کر پھیلی ہوئی خمیر کے مانند وہ ہوگیا ہے"۔۔۔ ڈاکٹر اڈمون بریانے ۱۹۱۳ء ۲۲ دسمبر کے جلسہ میں اس مشاہدہ کا تذکرہ کیا، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس کے مغز کی یہ کیفیت تھی، نہ کبھی وقت اس کو کسی قسم کی تکلیف محسوس ہوئی اور نہ فکر و نظر میں اس کے کوئی خلل پیدا ہوا، وہ اسی طرح اپنے سارے کاروبار انجام دیتا تھا، جیسے سب دیتے ہیں،

اسی طرح جولائی ۱۹۱۴ء میں ڈاکٹر ہولاپو نے "جراحوں کی انجمن" میں اپنا یہ تجربہ پیش کیا، کہ ایک لڑکی جو موٹر سے گر گئی تھی، اور سر پر اس کے سخت چوٹ آئی تھی اس کے دماغ کو دیکھنے کیلیے جب اس کے کاسہ کو کھولا گیا تو دیکھا گیا کہ بھیجہ کا ایک بڑا حصہ چور ہوکر بہہ گیا ہے، تاہم باقی حصہ کو صاف کرکے کھوپڑی میں جاکر بند

کردیا گیا، لڑکی اسکے بعد صحت یاب ہوگئی اور جن فرایض کو دماغ کی طرف منسوب کیا جاتا ہی وہ سب انجام پاتے ہے۔

"انسانی دماغ کے پاش پاش ہونے کے بعد"

پیرس کے اخباروں میں ۴ مارچ ۱۹۱۷ء کی اشاعت میں مذکورہ بالا عنوان سے یہ خبر شائع ہوئی؛

"پیرس کی علمی مجلس کے سامنے ڈاکٹر گیبان نے اپنی ان گزشتہ تقریروں کے مطابق (جنمیں دماغ انسانی کے متعلق عام طبی نظریہ کی مخالفت کی گئی تھی) ایک نئی تقریر یہ کی کہ "ایک فوجی سپاہی (R) نامی جس پر عمل جراحی کیا گیا تھا وہ پیرس کے قریب ان دنوں ایک باغ کا باغبان ہی، اور باغبانی کے فرائض اسی حال میں انجام دے رہا ہی کہ اسکے بھیجے کے بائیں طرف کا حصہ پاش پاش ہوکر تباہ ہو چکا ہی اور بھیجہ کا یہ حصہ اس طریقہ سے برباد ہوا ہی کہ جو تشری مادہ (یعنی جھلی بھیجے پر چڑھی رہتی ہی) وہ اور سفید مادہ، اور مرکزی خانے جو اس حصہ میں بنے ہوئے تھے سب کے سب ضایع ہو چکے ہیں"

دکھا ہی کہ) باوجود اسکے یہ آدمی بسلامت عقل و شعور بالکل اسی طرح کام کر رہا ہی جیسے ایک اچھا خاصہ صحت مند کامل دماغ رکھنے والا آدمی کرتا ہی حالانکہ اسکے بھیجہ کے وہ سارے مرکز جن کا تعلق طب جدید میں مختلف وظائف و اعمال سے وابستہ سمجھا جاتا ہی قطعاً تباہ و برباد ہو چکے ہیں"

ڈاکٹر گیبان نے اپنے اس مثالی مشاہدہ اور اس کے ساتھ تو دوسرے تجربات کا تذکرہ کرتے ہوئے مجلس علمی کے سامنے اس نتیجہ کا اعلان کیا۔

انسانی بھیجے کے کسی خاص حصہ کے ماؤف اور برباد ہو جانے کے بعد بھی آدمی زندہ رہ سکتا ہی، اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ جن دماغی پھوڑوں کے متعلق ڈاکٹروں کا خیال ہی کہ آدمی ان کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا، یا کسی ایسے مرض میں کم از کم ضرور مبتلا ہو جاتا ہی جس سے تا حین حیات صحت حاصل نہیں ہو سکتی، یہ صحیح نہیں ہی، آدمی ان دماغی زخموں کے بعد بھی زندہ رہ سکتا ہی اور یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ اس قسم کے آفت رسیدہ بھیجوں کے رکھنے والے آدمیوں سے بھی بعض اوقات ایسے اعمال و افعال ظاہر ہوتے ہیں جن سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہی کہ انکا دماغ بالکل صحیح و سالم ہی؛

نیز سنہ ۱۹۱۶ء ۱۱ اگست کو مجلس انترلوجی کے صدر ڈاکٹر آگستان ایثور ریشا نے شوکر میں جو جنوبی امریکہ کے بولیویا صوبہ کا ایک مشہور شہر ہی ایک جلسہ میں یہ اعلان کیا:-

انسانی عقل کو حیرت میں ڈالدینے والے چند مشاہدات کو آپ کے سامنے میں اس وقت پیش کرنا چاہتا ہوں ڈاکٹر نیکولا اورتیز کی نگرانی میں چند مریضوں کے متعلق یہ تجربات کیے گئے ہیں، اور ہمارے پاس ان تجربوں کو ڈاکٹر ڈومیگو گوزمان نے بھیجا ہی، یہ ایسے مشاہدات ہیں جن کی قدر و قیمت میں ہمیں شبہ ہونا چاہیے کیونکہ علمی دُنیا

کی دو بڑی شخصیتوں کا یہ اتفاقی مشاہدہ ہے، اس سلسلہ کا پہلا مشاہدہ تو وہ ہے جس کا تعلق ایک ایسے لڑکے سے ہے جسکی عمر غالبًا بارہ سے ۱۴ سال تک کے درمیان ہوگی۔ یہ لڑکا مر گیا اور اس حال میں مرا کہ اس کے سارے عقلی قویٰ بالکل درست حالت میں تھے، لیکن اس لڑکے کے کاسہ سر کی تشریح کے بعد معلوم ہوا کہ پیشانی کے سامنے بھیجے کا جو حصّہ ہوتا ہے وہ دماغ کے دوسرے حصے سے بالکل جدا ہو چکا تھا، نیز اطبا کو یہ دیکھ کر مزید حیرت ہوئی کہ اس کے علاوہ اس کے دماغ کی جھلی بھی خراب ہو چکی تھی اور ایک بڑا پھوڑا اس کے دماغ میں ایسا موجود تھا جو قریب قریب پورے دماغ کو متاثر کر چکا تھا، لیکن باوجود اس کے ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ مرنے سے کچھ دیر پہلے تک یہ لڑکا اچھی طرح غور و فکر کرتا تھا اور اس کے دماغی کاروبار میں کسی قسم کا خلل محسوس نہیں ہوتا تھا،

دوسرا مشاہدہ یہ ہے کہ ۴۰ سال کا ایک بیمار شفاخانہ میں داخل ہوا شکایت یہ بتاتا تھا کہ کنپٹی کی ہڈی اور بائیں جانب کی کھوپڑی کی ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس کے بھیجے کا ایک حصّہ چور چور ہو گیا ہے، یہ مریض جاں بر نہ ہو سکا، لیکن مرنے کے بعد اس کے کاسۂ سر کی جب تشریح کی گئی، تو دیکھا گیا کہ اس کے دماغ میں ایک بڑا ابھاری زخم تھا، اتنا بڑا جو قریب قریب بائیں جانب پورے دماغ کو گھیرے ہوئے تھا،!

ڈاکٹروں کے سامنے یہ سوال تھا کہ دماغ کی اس کیفیت کے بعد شخص کس طرح سوچتا، اور غور و فکر کرتا تھا، اور اسکے جسم کا کونسا حصّہ تفکیر کے اس عمل کو انجام دیتا تھا، حالانکہ فزیالوجی (علم وظائف الاعضا) کے ماہرین نے عقل و ادراک کے جن مرکزوں کو دماغ انسانی میں متعین کیا ہے وہ سب اس کے برباد اور تباہ ہو چکے تھے،

تیسرا مشاہدہ وہ ہے جس کا تعلق ایک اٹھارہ سالہ کسان سے ہے، یہ نوجوان کسان مر گیا اس کے کاسہ سر کی جب تشریح کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کے دماغ میں تین بڑے بڑے پھوڑے تھے اتنے بڑے بڑے جنھوں نے دماغ کے اگلے دونوں حصّوں کو برباد کر دیا تھا، بلکہ دماغ کا کچھ حصہ بھی ماؤف تھا، یہ تینوں پھوڑے بالکل ایک دوسرے سے ملے جلے تھے، مگر باوجود ان پھوڑوں کے وہ بالکل صحیح و تندرست آدمی کی طرح سوچتا سمجھتا اور تمام فکری کاروبار کو انجام دیتا رہا، یہ اپنے آپ کو اس قدر تندرست محسوس کرتا تھا کہ ہسپتال سے باہر ہونے کی اس نے اس لیے اجازت حاصل کی کہ چند ضروری کام اسے کرنے ہیں، ہسپتال سے خارج ہونے کے بعد اس نے اپنے کاموں کو پورا بھی کیا، لیکن اس کے بعد ٹھیک اسی وقت جبکہ وہ ہسپتال میں دوبارہ داخلہ لیکے اپنے بستر پر جا رہا تھا کہ مر گیا!!

ڈاکٹر گستاو گولیبو نے ان مشاہدات کو پیش کرتے ہوئے آخر میں کہا:-

دماغی خرافات کے علم نے جن نظریات کا اعلان کیا تھا وہ اب اس قابل ہو چکے ہیں کہ انھیں ترک کیا جائے اور یہ خیال کہ آدمی کی عقلی و فکری صحت کا تعلق سر اس کے دماغ کے مختلف خانوں اور مرکزوں سے ہی ادراک ہے

سمجھا جاتا ہی کہ آدمی کے مختلف علمی و فکری وظائف کا تعلق دماغ کے مختلف زاویوں سے ہی ہی اور وہی انکے مراکز ہیں سوان مشاہدات نے ثابت کردیا ہی کہ یہ صرف میتھالوجی اور خرافاتی کہانیاں ہیں۔ (ماخوذ از مجلۃ الازہر محرم ۱۳۶۲ھ)

یہ حال ہی علم اور سائنس کے ان مسائل کا جن کا شمار مشاہدات اور تجربات کے ذیل میں کیا جاتا تھا، ڈاکٹر گستاؤ گو لیو نے سچ کہا تھا کہ اس قسم کی باتوں کے پھیلانے والے اور انھیں ناقابل تردید تحقیق قرار دینے والے عموماً وہی علمی لوگ ہوتے ہیں جو ہر بات پر ایمان لانے میں ممکنہ عجلت سے کام لیتے ہیں،،

اسی سلسلہ میں خیال آیا کہ قرآن میں بھی اسی فکر و ذکر، تصور و ادراک وغیرہ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہی اوران امور کو قرآن نے اپنی اصطلاح میں "قلب" اور فؤاد،، کی طرف عموماً منسوب کیا ہی، پچھلے زمانہ میں بعضوں نے "قلب" اور "فؤاد" کا مصداق صنوبری شکل کے ایک پارہ گوشت کو قرار دیا تھا جس کو فارسی میں دل کہتے ہیں لیکن جب سے مذکورہ بالا "دماغی نظریہ" کا چرچا پھیلا، تو رجحانات کچھ ایسے پائے جاتے تھے کہ دماغ ہی کو "قلب" اور "فؤاد" قرار دیا جائے۔ "فؤاد" سے تو ابھی بحث نہیں ہی لیکن "قلب" کا جو لغوی مادہ ہی اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک خیال پر آدمی کو جو قرار نہیں ہوتا، اور خیال سے خیال کی طرف بیداری بلکہ خواب میں بھی مسلسل وہ جس طرح منتقل ہوتا رہتا اور ترقی کرتا رہتا ہی تو غالباً اس قوت و کیفیت کے سرچشمہ ہی کو قلب کہا گیا ہی اور آدمی کی یہی وہ خصوصیت ہی جس کی وجہ سے چند بسیط اساسی معلومات سے ترقی کرکے معلومات کے ناپید اکنار سمندروں تک وہ پہنچ جاتا ہی اور پہنچ رہا ہی اور خدا ہی جانتا ہی کہ اس کا یہی "قلب" یا اس کے ذہن کی یہ انقلابی و ارتقائی کیفیت اس کو کہاں سے کہاں تک پہنچاتی ہی، پھر جن قلوب پر ختم اور مہر کردی جاتی ہی گو اس مجازاتی اور مکافاتی عمل کے بعد محسوسات و مشاہدات سے غیب کی طرف اور غیب سے مشاہدات کی طرف فکری آمد و رفت کا سلسلہ جو آدمی میں جاری رہتا ہی وہ ٹوٹ جاتا ہی اور صرف محسوسات ہی میں گھوم گھما کر وہ چکر لگاتا رہتا ہی، لیکن قلب انسانی کی اسی انقلابی کیفیت کا نتیجہ ہی کہ ایک نقطہ پر وہ دیر تک ٹھیرا نہیں رہ سکتا بلکہ اس عمل کے بعد بھی ایک معلوم سے دوسرے معلوم تک وہ مسلسل منتقل ہوتا رہتا ہی، پچھلے دنوں یورپ کے قلب پر جب دنیا کی اس کھلی ہوئی تاریخی نبوت کبریٰ کے انکار کی سزا میں قدرت کی طرف سے ختم اور مہر زنی کا عمل کیا گیا، اور غیب سے بالکلیہ ٹوٹ کر محسوسات میں جب وہ ڈوبا، تو اسی عالم محسوس و شہادت سے معلومات کے جو عجیب و غریب ذخیرے اس نے مہیا کیے ہیں دنیا انھیں دیکھ دیکھ کر ششدر ہو رہی ہی، اسی کا نام "سائنس" رکھا گیا ہی اور سائنٹسٹ ان مختوم القلوب انسانوں کا نام ہی جن کے سامنے عالم محسوس کے سوا اور کچھ نہیں ہی، مگر دیکھو! جس کی حیرت ہر چیز میں سمائی ہوئی ہی اس نے ایک "شر" سے کیسے عظیم خیر کو پیدا کردیا، لیکن چونکہ غیب سے ان مختوم القلوب افراد کا تعلق ٹوٹا ہوا تھا، اس لیے بادی کا رنا ہی انکی شنوائی (سمع) اور بینائی (بصر) پر غشاوہ (غلاف) بنکر چڑھ گئی اور اسی کا آخری انجام یہ ہوا کہ سائنس کے حسابی علوم میں "خیر" کا پہلو تھا وہ یکایک "شر" سے بدل گیا اور آج سائنس کے یہی معنی آدمی کے گلے کی پھانسی بنے ہوئے ہیں۔

بسلسلہ موعظۃ و ذکریٰ

اس وقت کا ایک خاص فریضہ

اب سے قریباً چار ہزار برس پہلے جبکہ بظاہر ایک عجیب و غریب "اتفاق" ہی کے طور پر اور فی الحقیقت خداوند قادر و قدوس کی بیچون و چگون قدرت اور شانِ فعّال لما یرید کی جلوہ فرمائی کے نتیجہ میں سلطنت مصر کی باگ سیدنا یوسف صدیق (علیہ و علی آبائہ الصلوات والتسلیمات) کے ہاتھ میں آگئی تھی اور مصری حکومت جبکہ انہی کے تحت اقتدار تھی، تو سنا ہوگا کہ اس زمانہ میں مصر میں ایک شدید قحط پڑا تھا جو سات سال تک مسلسل رہا تھا، ان سات سالوں میں سرزمین مصر بارش اور پیداوار سے بالکل محروم رہی اور خشکی کا اثر یہاں تک پڑا کہ دودھ دینے والے جانوروں کے تھن بھی خشک ہوگئے۔ رسل و رسائل کے جو ذرائع اور حمل و نقل کے جو وسائل آج انسان کے ہاتھ میں ہیں جن کے ذریعہ ہر قسم کی ضروریات زندگی اور سامان معیشت کی درآمد برآمد ایک ملک سے دوسرے ملک کو بہ آسانی ہو سکتی ہے۔ اُس وقت انسان ان سے بھی تہی دست تھا، ایسی حالت میں جس ملک پر سات سال تک اتنا سخت قحط مسلط رہے وہاں کے آدمیوں پر جو کچھ بھی نہ گزر جائے اور جتنے بھی انہیں سے بھوکوں نہ مرجائیں، بعید از قیاس نہ ہوگا ——— لیکن سیدنا یوسف صدیق کی خدا ترسی مخلوق خدا کی سچی ہمدردی اور رعیت کی راحت رسانی کے متعلق اپنی حاکمانہ ذمہ داریوں کے احساس کے ساتھ ان کی خداداد خوش تدبیری اور مآل اندیشی نے مل جل کر ایسا نظم قائم کیا کہ نہ صرف قلمرو مصر کے بسنے والوں کو بلکہ آس پاس کے دوسرے قحط زدہ ملکوں کے باشندوں کو بھی بلا امتیاز ملک و نسل اور بلا لحاظ مذہب و ملت خوش حالی اور نعمت کے سالوں کی طرح ہی غلہ ملتا رہا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت صدیقی کے دور میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا جس نے بہت سے بندگانِ خدا کو فقر و فاقہ کی مصیبت میں مبتلا کر دیا، حضرت عثمان ذوالنورین اس وقت مدینہ کے درجہ اول کے تاجروں میں تھے اور آج کل کی اصطلاح میں سمجھیے

کہ اُس وقت کی چھوٹی سی اسلامی حکومت کے گویا وزیر مال بھی تھے، غلے سے لدے پھندے آپکے ایک ہزار اونٹ شام سے آئے، مدینہ کے غلہ فروشوں کو جیسے ہی اس مال کی آمد کی خبر ہوئی وہ خریداری کیلئے حضرت عثمان کی خدمت میں پہونچے بھاؤ تاؤ شروع ہوا، سب نے اپنی اپنی بولی بولی لیکن حضرت عثمان برابر یہی کہتے رہے کہ مجھے اس سے زیادہ ملتا ہے آخر میں مدینہ کے ان سوداگروں نے کہا کہ مدینہ کے دوکاندار تو سب یہاں موجود ہیں اور سب اپنی اپنی بولی بول چکے اور اپنے اپنے اندازہ کے مطابق سب ہی قیمت لگا چکے آخر اس سے زیادہ دام کون لگا رہا ہے؟

حضرت عثمان رضؓ نے کہا کہ وہ اللہ ہے جس کا وعدہ ایک کے بدلہ دس یا اس سے بھی زیادہ دینے کا ہے، تم سب گواہ رہو کہ میں نے یہ سارا غلہ اُس کیلیے اور اسی کے حساب میں ناداروں، غریبوں اور حاجتمندوں کو دیدیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمان کے ان ایک ہزار اونٹوں نے مدینہ کے غربا و فقرا کی ساری پریشانی اس وقت کی دور کر دی۔

سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی ایک سال عرب میں سخت قحط پڑا تھا جس کا نام ہی تاریخ میں "عام الرمادہ" ہے۔ حضرت عمرؓ نے خلق خدا کو اس قحط کی مصیبت سے بچانے کیلیے ایک طرف تو شام اور مصر سے غلہ منگوانے کا انتظام کیا (چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے جو اس وقت شام کے حاکم اعلےٰ تھے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدوا کر بھیجے اور مصر کے حاکم اعلےٰ عمرو بن عاص نے غلہ کی نو کشتیاں بحری راستہ سے روانہ کیں) دوسری طرف آپنے یہ کیا کہ بیت المال (سرکاری خزانہ) میں اُس وقت جتنا کچھ روپیہ جمع تھا آپ نے وہ سب مدینہ کے ناداروں اور غریبوں میں تقسیم کرا دیا اور بیت المال کو بالکل خالی کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلق خدا فاقوں مرنے کی مصیبت سے بچ گئی اور اللہ کے بندے قحط کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہے۔

یہ سب کچھ تو آپ نے عام پبلک اور عام رعایا کیلیے کیا، لیکن دُنیا حیرت میں رہ جائیگی جب اس کو یہ معلوم ہوگا کہ خود فاروق اعظم نے اس ابتلا کے زمانہ میں گھی، گوشت اور گیہوں تک کا استعمال قطعی ترک کر دیا تھا کیونکہ اُس وقت پبلک کے غریب طبقہ کو یہ چیزیں عام طور سے میسر نہ تھیں، اس زمانہ میں آپ کی اپنی غذا جو کی روٹی ہوتی تھی جس کے ساتھ بجائے گھی کے کبھی کبھی زیتون کا تیل استعمال

کیا جاتا تھا طبیعت اس غذا کو آسانی سے قبول نہ کرتی تھی جس کی وجہ سے گاہ گاہ معدہ میں تکلیف بھی ہو جاتی تھی۔ ایک دن آپ نے اپنے نفس سے خطاب کر کے فرمایا کہ جب تک اللہ تعالےٰ عام مسلمانوں سے اس قحط کو دور نہ فرما دے گا تجھ کو اس غذا کے سوا کچھ نہ مل سکے گا،

ناقلین آثار کا بیان ہے کہ اس قحط میں فاقوں کی کثرت اور ناموافق غذا کے استعمال ہی سے آپکا رنگ بھی سیاہ پڑ گیا تھا۔

بہر حال اپنے اوپر آپ نے ہر قسم کی مصیبت جھیلی اور اپنے معیار زندگی اور اپنی خوراک کو آپ نے ادنیٰ درجہ کے غریبوں اور فقیروں کے درجہ پر اُتار لیا لیکن عام رعایا بالخصوص اس کے ناداروں اور غریبوں کو قحط کی تباہ کاریوں سے بچانے کیلئے سب کچھ کیا یہاں تک کہ سارا سرکاری خزانہ ہی ان پر تقسیم فرما دیا ورنہ عرب جیسے غیر زرعی اور پھر دنیا سے کٹے ہوئے خطہ کا ایسے سخت قحط میں جو حال ہوتا اور وہاں کے باشندوں پر جو کچھ گزرتی اس کا اندازہ ہر ایک کر سکتا ہے

یہ تین مثالیں ہیں اللہ کے صالح بندوں کے طرز حکومت اور انکے طریقہ جہانبانی کی۔

موجودہ صورت حال:۔

خدا کے فضل سے ہمارے ملک میں اس وقت قحط نہیں ہے، پیداوار جیسی ہمیشہ ہوتی تھی بحمد اللہ ویسی ہی یا اس سے بھی کچھ بہتر ہی ان چند سالوں میں ہوئی ہے۔ لیکن موجودہ جنگ کے منحوس اثرات کے ساتھ "خداوندان حکومت" اور کارپردازان مملکت کے تغافل اور خلق خدا کی پریشانیوں سے ان کی افسوسناک بے نیازی اور لاپروائی بلکہ ان میں سے بہت سوں کی بدنیتی اور خود غرضی نے مل کر صورت حال ہزار قحطوں سے بھی بدتر کر دی ہے ــــــ اللہ کی پناہ! اس وقت جبکہ گیہوں کی فصل کا خاص وقت ہی ہمارے اس علاقے (روہیلکھنڈ) میں بھی جہاں گیہوں کی پیداوار اچھی خاصی ہوتی ہے ایک روپیہ کا دو سیر گیہوں فروخت ہو رہا ہے اور معمولی سے معمولی چاول ایک روپیہ کا صرف ڈیڑھ سیر یا زیادہ سے زیادہ پونے دو سیر! اور پورب میں چاول کی پیداوار کے جو خاص علاقے ہیں وہاں کی اطلاع ہے کہ چاول وہاں روپیہ کا صرف ایک سیر بھی بمشکل ہی ملتا ہے۔

ذرا سوچئے! ہم میں کتنے ایسے گھر ہیں جن میں میاں بیوی اور اللہ کے دیئے دو دو چار چار بچے

بھی ہیں، اور آمدنی بس پندرہ بیس روپیہ ماہوار یا اس سے بھی کم! ظاہر ہے کہ بحالت موجودہ ایسے گھرانوں میں دن رات کے آٹھ پہروں میں ایک وقت کیلیے بھی پیٹ بھر کھانا نہیں جڑ سکتا ہوگا۔ اللہ ہی جانتا ہے اور وہی جان سکتا ہے کہ ہمارے ہزاروں لاکھوں ایسے غریب بھائیوں کے دن رات آج کل کس طرح کٹتے ہوں گے، بھوک سے نڈھال بیوی کی اُداس صورت دیکھکر غیرت مند شوہروں پر کیا گزرتی ہوگی، پھر دن رات میں کئی کئی دفعہ معصوم بچوں کا بلکنا دیکھ دیکھکر ماں باپ کے دلوں کا کیا حال ہوتا ہوگا، پھر ان المناک حالات سے کسی ایک کی ڈبڈباتی آنکھیں دوسرے کے دل پر کیا قیامت ڈھاتی ہونگی؟

یقیناً ہمارے ناظرین کرام میں سے اکثر کو اندازہ ہوگا کہ یہ کوئی افسانہ نہیں ہے بلکہ وہ حقیقی حالات ہیں جن سے لاکھوں بندگان خدا آج دوچار ہو رہے ہیں، العظمۃ للہ! کیسا سخت وقت ہے ان بیچارے شریف اور باغیرت غریبوں کیلیے جو اپنی فطری غیرت اور عزتِ نفس کے باعث کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہو سکتے، بلکہ کسی سے اپنی یہ حالتِ زار کہہ بھی نہیں سکتے۔

ان مصائب کا صحیح مداوا تو جب ہی ہو سکتا تھا کہ تختِ حکومت پر کوئی "یوسف" کوئی "ابوبکر" کوئی "عمر" اور کوئی "عثمان" ہوتا، مگر ہماری بدقسمتی یا کہیے کہ ہماری ہی شامتِ اعمال سے اقتدار کی کنجیاں اس وقت انہی ہاتھوں میں ہیں جن کی خدا فراموشی اور جن کی بدنیتی و خود غرضی ہی ان منحوس حالات کو لائی ہے

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

اس لیے اب جو کچھ ذمہ داری ہے وہ ہم ہی جیسے لوگوں کی ہے جو اللہ کی عنایت سے خود زیادہ حاجتمند نہیں ہیں اور اپنے غریب تر بھائیوں کی کچھ تھوڑی بہت مدد کسی نہ کسی طرح سے کر سکتے ہیں، اس گئی گزری حالت میں بھی ہم میں بہت زیادہ نہ سہی، پھر بھی ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ابھی موجود ہے جن کے ذرائع آمدنی ان کی عام ضروریات سے زیادہ ہیں اور اس لیے انہیں اچھی خاصی بسر اوقات کے علاوہ ان کے پاس کم یا بیش کچھ فاضل سرمایہ بھی رہتا ہے ــــ ان کے علاوہ ایک بہت بڑی تعداد ہم میں بحمد اللہ ابھی ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اگرچہ اصطلاحی سرمایہ دار

یا دولتمند تو نہیں ہیں لیکن خوش حالی کے ساتھ گزارا کرتے ہیں، اور ان کے حالات میں اتنی گنجائش ہو کہ اپنے مصارف میں کچھ تخفیف کر کے اپنے گزارہ سے کچھ بچا بھی سکتے ہیں۔

تو اس نازک وقت میں حسب حیثیت ان دونوں طبقوں کا خصوصی فرض ہو کہ ان کے عزیزوں قریبوں، ان کے پڑوسیوں، اور ان کی بستی کے رہنے والوں میں جو بھی حاجتمند ان کے علم میں ہوں اور جن لوگوں کے متعلق بھی وہ یہ جانتے ہوں کہ ان کی آمدنی ان کے گزارہ کیلیے کافی نہیں ہوسکتی، جس طرح اور جتنی بن پڑے وہ ان کی مدد کریں اور ان کا کچھ بار اپنے ذمہ لیں۔

یوں تو ہر وقت اور ہر زمانہ کے صدقہ میں! اللہ پاک کے یہاں بڑا اجر ہو لیکن بالخصوص ایسے سخت وقت میں تو اس کی قدر و قیمت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہو جیسا کہ قرآن مجید کی آیت اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَۃٍ" سے معلوم ہوتا ہو۔

اس ناچیز کو تو یقین ہو کہ اس وقت اللہ پاک کی رضا حاصل کرنے، اس کے قہر و غضب سے بچنے، آتش دوزخ سے رہائی اور داخلۂ جنت کا استحقاق پیدا کرنے کا ایک بہترین ذریعہ اللہ کے حاجتمند اور نادار بندوں کی ہمدردی و غمخواری اور ان کی امداد و اعانت ہو۔ اس کار خیر کیلیے قرآن مجید اور احادیث نبوی کے ذخیرہ میں جو ہزارہا ترغیبات وارد ہوئی ہیں، اپنے ناظرین کی ترغیب و تحریص کیلیے ان میں سے چند یہاں بھی درج کی جاتی ہیں۔ اللہ کرے کہ قارئین کرام کے دل ان آیات و احادیث سے متاثر ہوں اور اس باب میں اپنا فرض ادا کرنے کی توفیق ہم سب کو ملے۔

راہ خدا میں دینے کی تاکید و ترغیب قرآن میں

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
(البقرہ ع ۳۷)

اے ایمان والو! جو تم نے کمایا اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے (یعنی ہر قسم کی کمائی اور زمین کی پیداوار) اس میں سے اچھی اچھی چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ

اے ایمان والو! ہمارے دیے ہوئے دھن دولت میں سے (نیکی کی راہوں میں) خرچ کرو اس دن سے پہلے

وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ط (بقرہ ۳۴)

اور یوم الجزا کے آنے سے پہلے جبکہ نہ کسی قسم کی خرید فروخت ممکن ہوگی اور نہ دوستی اور نہ کسی سفارش سے ہی کام چل سیکیگا۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (منافقون ع ۲)

اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے (نیکی کی راہوں میں) خرچ کرو اس سے پہلے کہ آ بائے تم میں سے کسی کو موت پھر اس وقت وہ حسرت و افسوس سے کہنے لگے کہ خداوندا! کیوں تو نے مجھے تھوڑی مہلت اور نہ دی کہ میں کچھ صدقہ و خیرات کرتا اور نیکوں میں ہو جاتا اور (فیصلہ ہو چکا ہے کہ) اللہ ہرگز کسی کو (ایک لمحہ کی بھی) مہلت نہ دیگا جب اُس کا وقت آجائے گا اور اللہ پاک خوب باخبر ہے تمھارے عملوں سے۔

وعدہ و بشارت!

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (بقرہ ع ۳۶)

جو لوگ راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوئی ہوں اور ہر بال میں سو سو دانے ہوں، اور اللہ بڑھا دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے، وہ گنجایش و کشایش رکھنے والا ہے اور علیم کل ہے (تو اپنے کمال علمی سے وہ جانتا ہے کہ کون میری راہ میں صرف میرے ہی لیے اور اخلاص سے خرچ کرتا ہے ـــــ اور اس کی بے پناہ وسعت و گنجایش کی وجہ سے ایک دانہ کے بدلہ میں سات سو دانے دے دینا یا اس پر بھی اضافہ کر دینا اس کیلیے کچھ بھی مشکل نہیں)

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ

اور دوزخ کی آگ سے وہ پاکباز اور پرہیزگار بچایا

بچتی رہیگی　(لیل ع ۱)　جائیگا جو پاکیزگی کیلیے (راہ خدا میں) اپنا مال دیتا ہے۔

صدقہ وخیرات کرنے والے گویا خدا کو قرض دیتے ہیں

راہِ خدا میں خرچ کرنے والوں کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ پاک نے ان کے صدقات کو گویا اپنے اوپر قرض قرار دیا ہے اور خود کو اُن کا مقروض بتاکر ان کا درجہ بلند کیا ہے، یقیناً انسان کیلیے اس سے زیادہ کسی بلند مقام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَھُمْ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ (حدید ع)

اللہ کے جو بندے اور جو بندیاں صدقہ کرتے ہیں اور اللہ کو قرض دیتے ہیں اُنکے لیے بہت کچھ بڑھایا جائیگا اور انکو عزت والا صلہ ملے گا

کہیں حکم کی صورت میں ارشاد ہے۔

وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (مزمل ع ۲)

اور اے اللہ کے بندو! اللہ کو قرض حسن دو

کہیں خود "سوالی" بن کر ترغیبی انداز میں صدا دی جاتی ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً (بقرہ ع ۳۲)

کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اس کو بہت گنا کرکے دے گا۔

راہ خدا میں خرچ نہ کرنیوالوں کو نہایت دردناک اور لرزہ خیز عذاب کی وعید

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ○ (توبہ ع)

اور جو لوگ سونے اور چاندی (مال و دولت) کو سینت سینت کر رکھتے ہیں اور راہِ خدا میں اس کو خرچ نہیں کرتے ہیں انکو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادی جائے جس دن انکی اس مایہ کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائیگا پھر اس سے انکی پیشانیاں انکی کروٹیں انکی پیٹھیں داغی جائینگی (اور کہا جائیگا) یہ ہے تمھارا وہ مال جسکو تم نے اپنے ہی لیے سینت سینت کے رکھا تھا لو اب اپنے اس ذخیرہ کا مزہ چکھو۔

چند احادیث نبویہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْفِقْ یَا ابْنَ اٰدَمَ یُنْفَقْ عَلَیْکَ (بخاری، مسلم، مشکوۃ)

حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ آدم کے فرزندو! تم میری راہ میں خرچ کرو میں تمکو وسعت عطا کئے جاؤنگا

حضرت انس سے مروی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ (ترمذی۔ مشکوۃ)

صدقہ اللہ کے غضب اور اسکے قہر وجلال کی آگ کو ٹھنڈا کرتا اور بری موت کو دور کرتا ہے (یعنی صدقہ وخیرات کرنیوالا بندہ بری موت نہیں مرتا بلکہ موت کے وقت اس پر رحمت ومقبولیت کے آثار ہوتے ہیں

(اور یہ اس عاجز کا مشاہدہ بھی ہے)

مرثد بن عبداللہ بعض صحابہ کرام سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا

ان ظل المومن یوم القیمۃ صدقتہٗ (بیہقی)

قیامت کے دن مومن کے سر پر اسکے صدقہ کا سایہ ہوگا۔

ایک اور حدیث میں عقبہ بن عامر سے مروی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ان الصدقۃ لتطفی عن اهلها حر القبور وانما یستظل المومن یوم القیمۃ فی ظل صدقتہ

صدقہ قبر کی گرمی کو ٹھنڈا کردیگا اور مومنین قیامت کے دن اپنے صدقہ ہی کے سایہ میں ہونگے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ایما مسلم کسا مسلماً ثوباً علی عری کساہ اللہ من خضر الجنۃ، وایما مسلم اطعم مسلماً علی جوع اطعمہ اللہ من ثمار الجنۃ وایما مسلم سقی مسلماً علی ظمأ سقاہ اللہ من الرحیق المختوم

(رواہ ابوداود۔ مشکوۃ)

جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو کپڑا دے کر اس کا تن ڈھانکے گا اللہ تعالےٰ اس کو آخرت میں جنت کا سبز خلعت پہنائیگا، اور جو مسلمان اپنے بھوکے مسلمان بھائی کو کھانا کھلائیگا اللہ اس کو جنت کے میوے اور پھل عطا فرمائیگا، اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائیگا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سربند شراب طہور سے سیراب فرمائیگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ ومن فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیٰمۃ

(بخاری ومسلم بمشکوٰۃ)

جو شخص اپنے کسی بھائی کی کوئی حاجت پوری کرنے میں لگا ہے گا تو اللہ تعالےٰ اسکی ضروریات کی کفالت فرماتا رہیگا اور جو شخص اپنے بھائی کی کوئی مصیبت دور کریگا تو اللہ تعالےٰ قیامت کی کوئی سخت ترین مصیبت اس سے دور فرما دیگا۔

ایک اور حدیث میں جو حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے وارد ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔

(ابوداود۔ ترمذی، مشکوٰۃ)

دوسروں پر جو ترس کھانے والے اور رحم کرنیوالے ہیں اللہ ان پر رحم کریگا۔ لوگو! تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر رب السماء رحم فرمائے گا۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے:۔

من لا یرحم لا یرحم

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائیگا۔

اللہ کے بندو!

اگر چاہتے ہو کہ رب العرش تم پر رحمت فرمائے، تم اس کے غضب اور عذاب سے محفوظ رکھے جاؤ اور اس کے دارِ رحمت (جنت) میں تم جگہ پاسکو تو بالخصوص اس سخت وقت میں کمزوروں، غریبوں، اور آفت رسیدوں پر رحم کھاؤ، انکی امکانی مدد کرو، یقیناً انشاء اللہ خدا کی رحمت سے نوازے جاؤ گے۔

میرا اندازہ ہے کہ ہم میں سے جو شخص بھی آج تجسس کی نگاہ ڈالے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ ہمارے عزیزوں قریبوں اور دائیں بائیں رہنے والے پڑوسیوں میں اس وقت کتنے ہی ایسے ہیں جو از راہِ عفت و عزت نفس ہمارے سامنے دست سوال دراز نہیں کرسکتے ہیں بلکہ اپنی مصیبت اور بپتا ہم سے چھپاتے ہیں اس لیے ہم انکی قابلِ رحم حالت سے واقف بھی نہیں ہوسکتے، حالانکہ ان کے بچوں پر مسلسل فاقے گزر جاتے ہیں —— حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لیس المومن بالذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ (شعب الایمان۔ مشکوٰۃ)

وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود اطمینان سے پیٹ بھر کے کھائے درانحالیکہ اسکا پڑوسی بھوکا ہو اور اس کے گھر میں فاقہ ہو۔

ہم میں سے جو صاحبِ اولاد ہوں وہ ذرا سوچیں کہ اگر خدانخواستہ کبھی ہماری اولاد پر ایسا برا وقت آپڑے اور کوئی

اللہ کا بندہ ان پر رحم کھا کے ان کی خبر لے اور ان کو فاقوں کی مصیبت سے بچالے تو ہمارے دل میں اس کے لیے کتنی جگہ ہوگی ــــ بلا تشبیہ، جو لوگ اللہ کے غریب و حاجتمند بندوں فقراء و مساکین، کی ایسے وقت میں خبر لیں، ان پر رحم کھائیں اور ان کی مدد کریں یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی قدر کرے گا اور اُن کے اس حسن عمل کا اچھا بدلہ دے گا۔

حضرت انس سے مروی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (شعب الایمان۔ مشکوٰۃ)	ساری مخلوق اللہ تعالےٰ کا کنبہ ہے، تو جو شخص اس کے کنبہ (یعنی اسکی مخلوق) کے ساتھ زیادہ اچھا سلوک کرے وہی اس کو زیادہ پیارا ہے۔

اللہ کے غریب بندوں کو آج کل سب سے بڑی مصیبت بھوک کی ہے اور افضل ترین صدقہ بالخصوص ان ایام میں بھوک کے مصیبت زدوں کو غلہ یا روٹی مہیا کر دینا ہے، حدیث میں وارد ہوا ہے:۔

افضل الصدقۃ ان تشبع کبدا جائعًا (شعب الایمان۔ مشکوٰۃ)	صدقات میں سب سے افضل یہ ہے کہ تم کسی بھوکے کا پیٹ بھروادو۔

ایک ضروری ہدایت

اللہ پاک اپنے جن بندوں کو اس کار خیر کی توفیق دے ان کو یہ بات ضرور ملحوظ رہنی چاہیے کہ انکی مدد اور ان کی خبر گیری کے سب سے زیادہ مستحق وہ حیا و شرم والے لوگ ہیں جو اپنی مصیبت اور فقر و فاقہ کو عام طور سے لوگوں پر ظاہر نہیں کر سکتے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔ لیکن جو "فقیر" کہلانیوالے گداگری کرتے ہیں اور مانگنا جن کا پیشہ ہے ان کے متعلق تجربہ یقین دلاچکا ہے کہ در اصل وہ حاجتمند نہیں ہوتے ہیں اور ان کو کبھی فاقہ کی نوبت نہیں آتی ہے۔ ایک حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

لیس المسکین الذی تردہ اللقمۃ و اللقمتان والتمرۃ والتمرتان ولکن المسکین الذی لایجد غنی یغنیہ ولا یفطن بہ فیتصدق علیہ ولا یقوم فیسأل الناس۔ (بخاری۔ مسلم)	اصلی مسکین وہ نہیں ہے جو در در سے ایک لقمہ دو لقمے یا کھجور کا ایک دانہ دو دانے لیکر چلا جاتا ہے، بلکہ حقیقی مسکین وہ ہیں جن کے پاس انکی ضروریات پورا کرنے کے بقدر پیسے بھی نہیں، اور نہ ان کی ظاہری حالت ایسی ہے کہ آسانی سے کسی کو انکی

حاجتمندی معلوم ہو جائے اور ان کی مدد کردی جائے اور نہ وہ چل پھر کر لوگوں سے مانگ ہی سکتے ہیں (تو حقیقی مسکین ایسے ہی لوگ ہیں اور یہی ہماری امداد و اعانت کے اصلی مستحق ہیں)

اس لیے اپنی مدد و خبر گیری کیلیے ایسے ہی اللہ کے بندوں کی تلاش و جستجو کیجیے جو پیشہ ور سائل نہیں ہیں اور جو اپنی حاجات بھی ہر ایک سے نہیں کہہ سکتے۔

قرآن مجید میں ایسے باغیرت و باعفت اصحاب حاجت کا ذکر بڑے پیار کے ساتھ کیا گیا ہے ارشاد ہے:۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا	ان کے سوال نہ کرنے اور عفت کی زندگی گزارنے کی وجہ سے ناواقف انکو ضرورتمند نہیں سمجھتا بلکہ انکو خوشحال

گمان کرتا ہے مگر تم انکے چہروں پر افلاس و فاقہ زدگی کے آثار دیکھ کر انکو پہچان سکتے ہو وہ خود کسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر اور اپنا حال زار بیان کر کے سوال نہیں کرتے ہیں۔

بہر حال مدد اور خبر گیری کے سب سے زیادہ مستحق اللہ کے ایسے ہی بندے ہیں اور آج کل اُجلے پوش شریفوں میں ایسے غریب حاجتمند بکثرت موجود ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم انکی خبر لیں اور اگر بالفرض ہم خود اس قابل نہیں ہیں تو کم از کم دوسروں سے انکی امداد کرانے میں سعی کریں۔ حدیث پاک میں ہے:۔

الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاہد فی سبیل اللہ۔ (بخاری۔ مسلم۔ مشکوٰۃ)	بیوہ عورتوں اور حاجتمندوں کیلیے دوڑ دھوپ کرنیوالا ثواب میں راہ خدا میں جہاد کرنیوالے کی طرح ہے۔

اُمید ہے کہ اللہ و رسول کے ارشاد ہی کی بنیاد پر یقین ہے کہ اس وقت اس سلسلہ میں جو فرض ہم آپ پر عائد ہوتا ہے اگر ہم سب نے اس کو ادا کیا اور اللہ کے کمزور و غریب بندوں کی مدد کی تو اللہ پاک ہماری آپکی مدد کریگا آپ کے مصائب کو دور کریگا، آپ پر دنیا و آخرت میں اپنی رحمت کے دروازے کھول دیگا۔ پھر پڑھیے اس آیت کو اور سنیئے اللہ پاک کی اس اپیل کو:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔	اے ایمان والو! ہم نے تمکو جو دولت دی ہے اسمیں سے ہماری راہ میں کچھ خرچ کرو قبل اسکے کہ وہ یوم الحساب آجائے جبکہ نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی

کام آسکیگی اور نہ کسی کی سعی سفارش سے ہی کام چل سکیگا اور خوب سمجھ لو کہ نہ ماننے والے ہی ظالم ہیں جو خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں جسکا برا نتیجہ وہ بھگتینگے)

آخر میں اس سلسلہ کی ایک حدیث قدسی اور پڑھ لیجیے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ تعالےٰ یقول یوم القیٰمۃ یا ابن اٰدم مَرِضْتُ فلم تَعُدْنِی قَالَ یَا رَبِّ کیف اَعُودُکَ وَاَنتَ رَبُّ العالمین قال اَمَا عَلِمْتَ ان عبدی فلانا مرض فلم تعدہ اما عَلِمتَ انک لَوْعُدْتَہٗ لوجدتنی عندہ یا ابن اٰدَم اِسْتَطْعَمْتُکَ فلم تُطْعِمْنِی قال یا ربّ کیف اُطْعِمُکَ وانت ربّ العالمین قال اَمَا عَلِمْتَ انہ اِسْتَطْعَمَکَ عبدی فلان فلم تطعمہ اما عَلِمْتَ انک لو اطعمتہٗ لوجدتَ ذٰلک عندی یا ابن اٰدم استسقیتک فلم تسقنی قال یا ربّ کیف اسقیک وانت رب العٰلمین قال استسقاک عبدی فلان فلم تسقہ اما انک لو سقیتہ وجدت ذٰلک عندی (رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ)

اللہ تعالےٰ قیامت کے دن (بعض آدمیوں سے) فرمائینگے "اے ابن آدم! میں مریض ہوا تھا تونے میری خبر نہیں لی" وہ عرض کرے گا آپ تو ربّ العٰلمین ہیں آپ کی کیسی بیماری؟ اور کیسی میری عیادت و خبر گیری؟ ارشاد ہوگا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا تونے اس کی خبر نہ لی، اگر تو اس کی عیادت دیکھ بھال کرتا خبر لیتا تو یقیناً مجھے اسکے پاس پاتا! اور "اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانے کا سوال کیا تھا تونے مجھے کھانا نہیں کھلایا" وہ عرض کریگا آپ تو رب العلمین ہیں آپکو کھانا کھانے کی ضرورت کیا؟ اور میں بھلا آپکو کس طرح کھلا سکتا ہوں ارشاد ہوگا "کیا تجھے معلوم نہیں میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تونے اس کو کھانا نہیں دیا، تجھے خبر نہیں اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اپنے کھانے کو میرے پاس پاتا اور میں تجھے اس کا بدلہ دیتا، پھر ارشاد ہوگا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تونے مجھے پانی نہیں پلایا" بندہ عرض کریگا خداوندا! آپ رب العالمین ہیں، آپکو پانی پینے کی کیا ضرورت اور میں کس طرح آپ کو پلا سکتا ہوں، ارشاد ہوگا "میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا تونے اس کو نہیں پلایا اگر تو اس کو پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔"

مبارک اور خوش نصیب ہیں اللہ کے وہی بندے جو بیچارے بیماروں، آفت رسیدوں اور کھانے پینے کے حاجتمندوں کو دیکھکر یہ حدیث پاک یاد کر لیا کریں اور اس کے مطالبہ کو پورا کر کے اپنے اللہ کی رضا حاصل کریں!

وَبَشِّرْ عِبَادِیَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدٰاهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِکَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ

اسلامی معاشیات

کے

چند فقہی اور قانونی ابواب

اسلامی معاشیات ہی کے متعلق مولانا گیلانی کا ایک اہم مقالہ "الفرقان" کی گزشتہ اشاعت میں شایع ہو چکا ہے۔ مولانا کی جس زیر تصنیف کتاب کا وہ ایک حصہ تھا اسی کا ایک دوسرا حصہ مولانا ممدوح کی خصوصی اجازت سے آج ہدیہ ناظرین کرام کیا جا رہا ہے، اس سارے سلسلہ کے مطالعہ کے وقت ممدوح کی یہ تصریح قارئین کرام کو ملحوظ رکھنی چاہیے کہ

"دراصل میری چند یادداشتوں کا یہ مجموعہ ہے اس میں کامل استیعاب اور احاطہ کی کوشش نہیں کی گئی ہے اسی حالت میں اس کی اشاعت سے مقصود صرف یہ ہے کہ "اسلامی معاشیات" کے متعلق جو حضرات کام کرنا چاہتے ہیں ان کے سامنے فقہ کی کتابوں میں جو مواد پایا جاتا ہے وہ پیش کر دیا جائے، جیسے جیسے موقعہ ملتا چلا جائیگا اور فرصت ہمدست ہو گی بتدریج دوسری چیزیں بھی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے سامنے آتی رہیں گی:

اس سلسلہ میں ایک قابل لحاظ امر یہ بھی ہے کہ "اسلامی معاشیات" اور "مسلمانوں کے معاشیات" میں جو فرق ہے۔ کام کرنے والوں کو چاہیے کہ اس فرق کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ اس قسم کی قومیں جن کے پاس اپنے مذہبی وثائق کا کوئی مکمل اور غیر مشتبہ ذخیرہ نہیں ہے، وہ تو مجبور ہیں کہ اپنے ہم مذہب مفکرین کے خیالات و آراء کو بھی اپنے مذہب ہی کی طرف منسوب کر کے پیش کریں۔ لیکن مسلمانوں کو اس میں فرق کرنا چاہیے

اسلام نے جو نظام زندگی پیش کیا ہی، اس کا سرچشمہ کتاب و سنت اور اجماع ہی فقہی مسائل اسلام کے ان ہی اساسی مستندات سے ماخوذ ہیں، باقی تیرہ سو سال میں دنیا کے مختلف حصوں میں بجائے خود مسلمان مفکرین نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق جو کچھ سوچا سمجھا اپنی کتابوں میں درج کیا ہی، وہ مسلمانوں کی چیز تو کہلا سکتی ہی لیکن غلط بیانی ہوگی اگر اس سب کو اسلام کی طرف منسوب کیا جائے۔ اس وقت جو چیز آپ کے سامنے پیش ہو رہی ہی اس کا براہ راست تعلق اسلام سے ہی، مسلمان مفکرین کے آرا و نظریات کو میں نے الگ جمع کیا ہی جو اس سے بالکل جداگانہ چیز ہی ——— مناظر احسن گیلانی

صحاح کی مشہور حدیث ہی کہ بندے قیامت کے دن اس وقت تک اپنی ٹانگوں پر کھڑے رہینگے جب تک کہ چار باتوں کے جواب سے فارغ نہ ہوں ان ہی چارگانہ سوالات میں ایک بڑا اہم سوال یہ بھی ہوگا کہ

عن مالہ من این اکتسبہ وفیم انفقہ | آدمی سے پوچھا جائے گا اپنے مال کے بارہ میں کہ اس کو کن ذرائع سے اس نے حاصل کیا اور کن راہوں میں خرچ کیا؟

سچ پوچھیے تو معاشیات کے قانونی یا فقہی مسائل کا تعلق ان ہی دو باتوں سے ہی، دوسرے لفظوں میں یوں خیال کیجیے کہ دولت کے دخل و خرچ کے متعلق اسلام نے مسلمانوں کو جو عملی ضابطہ دیا ہی اب آپ کے سامنے اسی کی تفصیل پیش ہوگی، دولت عباسیہ کے پہلے قاضی القضاۃ قاضی ابویوسف نے بھی اپنی مشہور سیاسی و معاشی کتاب "کتاب الخراج" جو خلیفہ ہارون الرشید کے فرمایش سے لکھی گئی ہی، اس میں بھی قاضی صاحب نے تمہید کلام میں اسی حدیث کو اسلامی معاشیات کی بنیاد قرار دیا ہی۔

اس معاشی ضابطہ کے اساسی قوانین کو پیش نظر رکھ کر فقہاء اسلام رحمہم اللہ اجمعین نے جزئیات کے متعلق دفتر جو تیار کر دیے ہیں ظاہر ہی کہ اس مختصر سی کتاب میں ان سب کا احاطہ ناممکن ہی، تاہم میں کوشش کروں گا کہ ایک خاص ترتیب سے اس سلسلہ کے اہم مسائل کو اپنی اپنی جگہ پر درج کر دوں، ہو سکتا ہی کہ راہ بن جانے کے بعد آئندہ کام کرنے والے اس پر اور اضافہ کریں،

———

معاشیات کے دو اسکول

پہلا اسکول واقعہ یہ ہو کہ مشاہدہ اور تجربے کے سوا خود قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہو کہ تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے بنی آدم میں ایک طبقہ ان لوگوں کا پایا گیا ہو، جو مالیات یا تحصیل دولت و صرف دولت دونوں کو ہر قسم کی اخلاقی و مذہبی پابندیوں سے آزاد دیکھنا چاہتا ہو۔ اس کا نظریہ ہو کہ کمانا چاہیے خواہ کسی ذریعہ سے ہو اور اڑانا چاہیے خواہ خرچ کی جو راہیں بھی ہوں۔

اس سلسلہ میں یہاں تک دیکھا گیا ہو اور اب بھی دیکھا جاتا ہو کہ بہت سے ایسے لوگ جن کی زندگی بظاہر دینی اور شرعی ہوتی ہو، یعنی نماز روزہ، درود وظائف، حج وقربانی ان تمام امور کے وہ پابند ہوتے ہیں، لیکن یہی لوگ جو اس قسم کی مذہبی پابندیوں کو اپنے لیے لازم سمجھتے ہیں، مالیات کے مسئلہ میں ہر قسم کی بے قیدیوں کا دیدہ دلیری سے ارتکاب کرتے ہیں، اس مکتب خیال یا مسلک عمل کا تذکرہ قرآن نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے ذکر میں کیا ہو، یعنی حضرت شعیب نے جب ان پر معاشی قوانین کی پابندیوں کو عائد کرنا چاہا تو ان کو جواب دیا گیا کہ

قالوا یا شعیب اصلوٰتک تامرک ان نترک ما یعبد اٰباؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشاء	انھوں نے کہا شعیب! کیا تمھاری نمازیں یہ بھی حکم کرتی ہیں کہ جن معبودوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انھیں ہم چھوڑ بیٹھیں اور یہ کہ ہم

اپنے اموال (دولت) میں جو من مانے تصرفات کرتے چلے آئے ہیں ان کو بھی چھوڑ دیں،

صرف یہی نہیں بلکہ قوم شعیب کے معاشی ماہرین نے ان کے طرز عمل پر اظہار تعجب کیا اور ان کی عقل وفہم جس کا انھیں ایک مدت سے تجربہ تھا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان "روشن خیالوں" نے طنز کے لہجہ میں کہا کہ

انک لانت الحلیم الرشید	تم ہی تو بڑے بھاری بھرکم باوقار سوجھ بوجھ کے آدمی ہو۔

بہر حال معاشیات کا یہ تو ایک آزاد مکتب خیال ہی تحصیل دولت کے ذرائع پر بظاہر ان کے نزدیک کسی قسم کی قید عائد کرنا سوجھ بوجھ اور عقل و دانائی کے خلاف ہی ان کا کھلا مسلک یہ ہو کہ جس کو جس وقت

جس ذریعہ سے بھی حصول دولت کا موقع ملے بدعقلی ہوگی کہ اس سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے یا روپیہ رہتے ہوئے اپنی خواہش خواہ جس بات کی ہو آدمی پوری نہ کرے۔ قرآن نے جن الفاظ میں ان کے اس معاشی نظریہ کا ذکر کیا ہے۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب جو عموماً لوگوں کے خیال میں پوجا پاٹ یا "صلوٰۃ" میں منحصر ہے۔ معاشی کاروبار میں اس کی دخل اندازیوں کو وہ ناپسند کرتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے کہا کہ تمہاری نمازیں کیا اس سے بھی روکتی ہیں کہ ہم اپنے اموال کے متعلق جو چاہیں کریں۔[1]

دوسرا مکتب خیال اسی کے مقابلہ میں معاشیات ہی کا ایک دوسرا اسکول بھی ہے جو دوسرے پہلوؤں کی طرح انسانی زندگی کے معاشی پہلو کو بھی چند خاص حدود میں رکھنا چاہتا ہے، یعنی وہی بات جو حدیث میں آئی کہ "من این اکتسبہ فی ما انفقہ" (کہاں سے کمایا اور کس راہ میں خرچ کیا) دونوں پر نگرانی قائم کرنا چاہتا ہے، تقریباً ہر زمانے میں اس طبقہ کی بھی کمی نہیں رہی ہے۔ عملی طور پر خواہ اس اصول کے ماننے والوں کی تعداد کتنی ہی تھوڑی ہو لیکن نظری حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو اکثریت کم از کم زبان سے اس نگرانی کی ہمیشہ حامی رہی ہے، اسی لیے چوری، ڈاکہ، رشوت، خیانت، جوکا وغیرہ ذرائع کسب کو اچھی سوسائٹیوں میں ہمیشہ بری نظروں سے دیکھا گیا ہے غالباً اسی بنا پر دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک میں حد بندی عائد کرنے والے معاشی قوانین پائے جاتے ہیں، اسلام کا تعلق بھی ثانی الذکر طبقہ سے ہے اور اس وقت میں انھیں پابندیوں کی کلی حیثیت سے تفصیل کرنا چاہتا ہوں جو ان دونوں امور یعنی "من این اکتسبہ" یا دوسرے لفظوں میں "دخل" اور "فیم انفقہ" یا "خرچ" پر اسلام نے عائد کیے ہیں، دونوں سوالوں پر دو مستقل عنوانوں کے نیچے بحث کی جائے گی۔

دخل

دخل یعنی مال و دولت کے کمانے اور ان سے استفادہ کے ذرائع پر اسلام نے جو قیود عائد

[1] اخبار رہبر دکن نے چند دن ہوئے اپنے فکاہی کالم میں یہ ایک لطیفہ شایع کیا تھا کہ دودھ کے کاروبار کرنیوالے باپ نے اپنے بیٹے سے پوچھا بیٹا! کیا دودھ کے تمام برتنوں میں تم پانی ملا چکے؟ — ہاں ابا جان! اس کام سے میں فارغ ہو چکا بیٹے نے جواب دیا — باپ نے تب کہا "اچھا آؤ عبادت کا وقت آگیا چلو گرجا چلیں"۔ گو یہ لطیفہ ہی ہے لیکن ایک خاص قسم کی مذہبی زندگی کی اس میں تصویر کھینچی گئی ہے۔ یہ وہی ذہنیت ہے جس میں قوم شعیب مبتلا تھی ۱۲

کیے ہیں، اس کی تفصیل کے سمجھنے کیلیے چاہیے کہ اجمالاً پہلے دُنیا کی چیزوں کی اس تقسیم کو سمجھ لیا جائے جو معاشی حیثیت سے اسلام میں اختیار کی گئی ہے۔

اسلام میں اشیار کی معاشی تقسیم

واقعہ یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں اگرچہ مالی مسائل کو مختلف ابواب کے ذیل میں منتشر کر کے بیان کیا گیا ہے لیکن تمام ابواب کے مسائل کو پیش نظر رکھ کر منطقی طریقہ سے چاہیں تو ہم ان کو یوں تقسیم کر سکتے ہیں کہ ان چیزوں کا بنی آدم میں کوئی مالک ہے یا نہیں؟ اگر مالک نہیں ہے تو قبضہ کرنے کے بعد بھی آدمی ان کا مالک ہو سکتا ہے یا نہیں، اسی طرح جن چیزوں کا کوئی مالک ہے ان کی بھی دو صورتیں ہیں، مالک کی مرضی کے بغیر اسلام ان پر دوسروں کو قبضہ کرنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں، اگر دیتا ہے تو اس کی کتنی صورتیں ہیں، اور نہیں دیتا ہے تو پھر ان چیزوں کے مالک ہونے کے قانونی ذرائع کیا ہیں، اور اسلام ان قانونی پابندیوں کو ان چیزوں کے مالک ہونے کے لیے کیوں ضروری قرار دیتا ہے؟ چوں کہ ان تمام منطقی شقوں کے نیچے کچھ نہ کچھ چیزیں داخل ہیں اس لیے میں ہر ایک پر الگ الگ بحث کرتا ہوں۔

"ایسی چیزیں جن کا اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی مالک نہیں ہے"

ہدایہ میں ہے۔

الانتفاع بماء البحر کالانتفاع بالشمس والقمر والھواء (کتاب الشرب ج ۴)	سمندر کے پانی سے استفادہ کی نوعیت وہی ہے، جو آفتاب، ماہتاب اور ہوا سے استفادہ کا حکم ہے (یعنی ہر شخص کو اس سے استفادہ کا عام حق حاصل ہے)

جس سے معلوم ہوا کہ سمندر دریا وغیرہ اور ان کا پانی، اور آفتاب ماہتاب، وغیرہ اور ان کی روشنی، اسی طرح ہوا اور فضا کا کوئی مالک نہیں ہے علیٰ ہذا ہوا کے پرندے، جنگل کے جانور، سمندر کے حیوانات، ان سب کا بھی کوئی مالک نہیں ہے اور یہی حال جنگل پہاڑ وغیرہ کے درختوں اور دیگر نباتات کا ہے کہ نہ ان کا کوئی مالک ہے اور نہ ان کے پھلوں کا، بلکہ ہر شخص کیلیے وہ شرعاً مباح اور جائز ہیں، قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں اخروٹ، بادام وغیرہ کے خودرو، جنگلی درختوں اور شہد وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے

لکھتے ہیں:-

اذا کان فی المفاوز والجبال علی الاشجار او فی الکهوف فلا شئ فیه وهو بمنزلة الثمار تکون فی الجبال والاودیة

جب یہ چیزیں صحرا اور پہاڑوں میں درختوں میں یا پہاڑ کے غار میں ہوں تو ان پر کچھ نہیں (یعنی حکومت کوئی محصول عائد نہیں کر سکتی)، اور ان کا حال ان پھلوں کا ہے جو پہاڑوں اور وادیوں میں ہوں۔

اراضی یعنی زمین کی بھی اسلام میں چند قسمیں ہیں، صاحب بدائع نے ان اقسام کو اس طرح بیان کیا ہے:-

والارض فی الاصل نوعان مملوکة والارض مباحة غیر مملوکة والمملوکة نوعان عامرة وخراب والمباحة ایضاً نوعان نوع هو من مرافق البلدة محتطبا لهم ومرعی مواشیهم ونوع لیس من مرافقها وهو المسمی بالموات۔

زمین کی دراصل دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ زمین ہے جو کسی کی ملک ہو، دوسری قسم مباح یعنی جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو، پھر جو زمین کسی کی ملک ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں آباد اور غیر آباد، اسی طرح غیر مملوکہ یعنی مباح زمین کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس کا شمار بلدہ (آبادی) کی سہولت آفرینیوں سے ہو، مثلاً لکڑی حاصل کرنے کی جگہ ہو، مویشیوں کی چراگاہ ہو، اور دوسری وہ جس کا شمار مرافق یعنی سہولت آفرین خطہ سے نہ ہو اسی کا نام "الموات" ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ زمین کی بعض قسمیں غیر مملوک بھی ہوتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ جب ان پر کسی کا قبضہ نہیں تو ان کے مملوک ہونے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں، سوال اس کے بعد ہوتا ہے کہ ان چیزوں کے تملیک کی کیا شکل ہے؟ عام طور سے ان چیزوں کے مالک ہونے کا طریقہ اسلام نے بھی وہی اختیار کیا ہے جو عموماً دنیا میں مروج ہے، ابوداؤد میں سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:-

من سبق الی ما لم یسبق الیه مسلم فهو احق به

جس ایسی چیز پر کسی مسلمان کا پہلے قبضہ نہ ہو تو جو اس پر پہلی دفعہ قبضہ کر لیگا وہی اس کا زیادہ حقدار ہ

فقہانے اس حدیث کی بنا پر یہ قانون پیدا کیا، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

من سبقت ید الا الیہ فہو فی ملکہ	یعنی پہلی دفعہ جس کا قبضہ اس پر ہوگا وہی اس کا مالک ہو جاتا ہے۔

مثلاً کہتے ہیں کہ

من احتطب فی مفازۃ فہو لہ ومن اصطاد صیدا فہو لہ	جنگل میں جو لکڑی کاٹ لے اور شکار کو جو شکار کرلے وہ اسی کا ہوگا۔

لیکن باوجود اس قانون عام کے چند چیزیں ایسی ہیں جن کو اسلام میں بعض خاص شرائط کے ساتھ اس قانون سے مستثنےٰ کیا گیا ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیزیں جن پر کسی کا قبضہ ہی نہیں ہو سکتا اور ان کو وہ اپنی حفاظت میں نہیں لے سکتا مثلاً آفتاب و ماہتاب ہوا وغیرہ ان کا تو ظاہر ہی ہے کہ آدمی مالک نہیں ہو سکتا۔ ہدایہ میں ہے کہ

الانتفاع بالشمس والقمر والھواء فلا یمنع من الانتفاع بہ علی ای وجہ شاء	آفتاب ماہتاب ہوا سے فائدہ اٹھانے سے کوئی روکا نہیں جاسکتا جس طرح چاہے ان سے استفادہ کرسکتا ہے۔

اسی بنا پر فقہا کا یہ مسئلہ ہے کہ دو منزلہ مکان کی نچلی منزل کا کوئی اگر مالک ہو، اور اوپر والی منزل کا کوئی اور پھر اوپر والی منزل گر جائے تو اس فضا یا ہوا کو جس میں یہ اوپر والی منزل تھی اس کو کوئی بیچ نہیں سکتا ابن ہمام نے اس کی وجہ فتح القدیر میں یہ لکھی ہے کہ مکان کو بلند کرنے کا جو حق اس کو حاصل تھا وہ

حق متعلق بالھواء ولیس الھواء مالا یباع (۲۰۴ مطبوعہ مصر ج ۵)	ایک ایسا حق ہے جو ہوا کے ساتھ قائم ہے اور ہوا کوئی مال نہیں ہے جسے بیچا جائے۔

اشتراکی سرمایہ پانی، آگ، گھاس لیکن علاوہ ان چیزوں کے اور بھی چند ایسی اشیاء ہیں، جن پر خواہ کسی کا قبضہ ہی کیوں نہ ہو جائے لیکن عام مفاد کے لیے اسلام نے یہ قرار دیا ہے کہ انفرادی طور پر قانوناً کوئی ان کا مالک نہیں ہو سکتا بلکہ انھیں عام پبلک پراپرٹی قرار دینا چاہتا ہے، اس سلسلہ میں عموماً کتابوں میں اگرچہ تین ہی چیزوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے یعنی مشہور حدیث ہے:

الناس شرکاء فی الماء والکلاء والنار (الخ)	لوگ تین چیزوں میں ایک دوسرے کے ساجھی اور

شریک ہیں یعنی الماء (پانی) الکلاء (گھاس) النار (آگ)

اسی حدیث کی بنا پر پانی، گھاس اور آگ میں "الناس" یعنی عام پبلک شریک سمجھی جاتی ہے

اشتراکی سرمایہ کے ملحقات

لیکن صرف ان ہی تین چیزوں تک اشتراک کے قانون کو محدود سمجھنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس ذیل میں اور بھی کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کو انفرادی ملک قرار دینے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ

ان ملکه احد بالاحتجار ملك منعه فضاق علی الناس، فان اخذ العوض عنه اغلاه فخرج عن الموضع الذی وضعه اللّٰه من تعمیم ذوی الحوائج من غیر کلفة (المغنی ص ۵۱۲ ج ۶)

اگر احاطہ بندی کرکے کوئی اس کا مالک ہو جائیگا تو لوگوں کو اس سے روکے گا اور عوام ضیق تنگی میں مبتلا ہو جائینگے اور اگر اس کا معاوضہ لیگا تو اسے گراں کردے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حق تعالےٰ نے جس غرض کیلیے اس چیز کو جو عام عطا کیا تھا اس سے وہ چیز ہٹ جائے گی یعنی عام حاجتمندوں کی ضرورت بغیر کسی کلفت و دقت کے پوری ہو یہ بات جاتی رہے گی۔

اسی لیے علامہ ابن قدامہ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔

المعادن الظاهرة وهی التی یوصل ما فیها من غیر مؤنة ینتابها الناس وینتفعون بها کالملح والماء والکبریت والقیر والمومیاء والنفط والکحل والیاقوت ومقاطع الطین واشباه ذالك

ظاہری معادن یعنی وہ کانیں جن تک بغیر کسی محنت و مشقت کے رسائی حاصل ہو سکے لوگوں کی اس پر آمد و رفت جاری ہو اور لوگ اس سے نفع اٹھاتے ہوں، مثلاً نمک، گندھک، بچ (ڈامر)، مومیا، نفت (مٹی کا تیل) سرمہ، یاقوت یا مٹی نکالنے کی جگہ ہو،

علامہ لکھتے ہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ چیزیں

لا تملك بالاحیاء ولا یجوز اقطاعها لاحد من الناس ولا احتجارها دون

نہ آباد کرنے اور حکومت سے جاگیر ملنے کی وجہ سے ان امور کا کوئی مالک ہوتا ہے اور نہ یہ جائز ہے

المسلمین لان فیہ ضرر بالمسلمین وتضییقاً علیہم۔

کہ عام مسلمانوں پر اس سے استفادہ کی راہ بند کی جائے کیونکہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچیگا اور ان پر تنگی ہوگی۔

فقہا نے اس قانون کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث سے مستنبط کیا ہے جو ابوداؤد ترمذی وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ابیض بن جمال نامی صحابی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست پر مآرب (یمن) کے ایک کھارے چشمہ کو بطور جاگیر کے مرحمت فرما دیا، لیکن سند لے کر جب وہ روانہ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور نے خیال نہیں فرمایا کہ اس شخص کو جاگیر میں کیا چیز عطا فرما دی گئی، وہ تو ایک نہ ختم ہونیوالا اجاری چشمہ ہے، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا "فلا اذن" یعنی جب وہ ایسا چشمہ ہے تو پھر جاگیر میں نہیں دیا جاسکتا۔ اسی لیے فقہانے یہ طے کر دیا ہے کہ حکومت اس قسم کی چیزیں کسی کو جاگیر میں بھی دے جب بھی وہ کسی کی جاگیر نہیں بنےگی اور وہ ہر حال میں پبلک جائداد ہی رہے گی۔

علاوہ ان معادن کے فقہانے بھی انھیں مصالح کی بنا پر لکھا ہے کہ

لیس للامام ان یقطع مالاغنی للمسلمین عنہ یعنے اذا کانت اجمۃ اوغیضۃ اوبحر یشربون منہ او مملحۃ لاھل بلدۃ فلیس للامام ان یقطع ذالک لاحد

(عنایہ حاشیہ ہدایہ، ص ۳۸ ج ۴)

ایسی چیزیں جن سے عموماً مسلمان بے نیاز نہیں ہوسکتے یعنی ان کی عام ضرورت کی چیزیں ہیں تو حکومت کو حق نہیں ہے کہ کسی خاص آدمی کی جاگیر میں ان کو دے دے مثلاً کوئی اجمہ (آبی نیستان) ہو یا جنگل ہو یا دریا ہو جس سے پانی پیتے ہوں یا نمک بنانے کی جگہ کسی خاص آبادی کی ہو، جائز نہ ہوگا کہ امام کسی کو یہ چیزیں جاگیر میں دے دے۔

اسی طرح آبادی کی چراگاہیں یا اردگرد کی جھاڑیاں جن سے لوگ ایندھن کا کام لیتے ہیں یا آبادی کے اطراف کی ایسی زمین جن پر کھلیان وغیرہ لگاتے ہیں اور ان کا کوئی مالک نہ ہو تو فقہانے لکھا ہے۔

ماکان خارج البلدۃ من مرافقھا

آبادی سے باہر جو سہولت کی چیزیں ہیں اور

ومحتطبا لاھلھا او مرعی لھم لا یکون مواتا حتی لا یملک الامام اقطاعھا۔	باشندوں کی لکڑی حاصل کرنے کی جگہ ہو، تو یہ ساری چیزیں نہ موات (یعنی ایسی زمین نہیں ہو سکتی ہیں جنھیں آباد کر کے کوئی ان کو ذاتی ملک

بنا سکتا ہی) اور نہ امام (حکومت) کسی کو جاگیر میں یہ چیزیں دے سکتی ہی۔

زیلعی نے اس دفعہ کو نقل کرتے ہوئے یہ لکھا ہی:۔

فناء العامر فینتفعون بہ لانھم محتاجون الیہ لرعی مواشیھم و طرح حصائدھم فلم یکن انتفاعھم منقطعا عنہ ظاھرا فلا یکون مواتا۔ (زیلعی برہایہ جلد ۳ صفحہ ۳۴)	آبادی کے اطراف واکناف کی زمین کا بھی یہی حکم ہی کہ عام لوگ اس سے نفع اٹھاتے ہیں یا لوگ اپنی مویشیوں کے چرانے کیلیے اور کھلیان لگانے کیلیے اس کے محتاج ہیں اور اس وجہ سے استفادہ کا جو حق ہی وہ اس قسم کی زمینوں سے

منقطع نہیں ہو سکتا اس لیے اس کا شمار الموات (آباد کر کے آدمی جس کا مالک ہو سکتا ہو) اس میں شمار نہیں ہو سکتا۔

اسلام نے جب ان چیزوں میں انفرادی ملک کو ناجائز ٹھیرایا ہی، تو ظاہر ہی کہ شاہراہ عام یا عام آب پاشی کے ذرائع جنھیں یوں بھی پبلک کی ملک خیال کیا جاتا ہی ان میں انفرادی ملک کو کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہی، فقہ کی کتابوں میں اس کی صراحت کر دی گئی ہی کہ جس طرح مندرجہ بالا امور کو حکومت کسی کی انفرادی ملک نہیں قرار دے سکتی اسی طرح

لا اقطاعہ کمشارع الماء وطرقات المسلمین (ابن قدامہ ج ۵ ص ۱۵۱)	جائز نہو گا کہ پانی کے خزانوں اور مسلمانوں کے عام شاہراہوں کو حکومت کسی کی جاگیر میں دیدے۔

نہ حکومت دے سکتی ہی اور نہ آبادی کے باشندے ان پر قبضہ کر کے اپنی ملک بنا سکتے ہیں، کفایہ شرح ہدایہ میں ہی۔

وکذا لا یجوز احیاء ما تعلق بہ حق العامۃ کما فی النھر والطریق (ج ۴ ص ۳۰۳)	یوں ہی آباد کر کے قبضہ کرنے کی اجازت ان چیزوں کے متعلق بھی نہیں دی جا سکتی جن کے ساتھ عوام کا حق متعلق ہو، مثلاً نہر اور راستہ کا جو حکم ہی۔

خلاصہ یہ ہے کہ پانی، آگ، گھاس اور ایسے معادن جن کی پیداوار کے حاصل کرنے میں کسی محنت و مشقت، جد و جہد اور مصارف کی ضرورت نہیں ہوتی، اور عام لوگوں کی ضرورت کی چیزیں ان کی برآمد ہوتی ہوں، آبادی کی چراگاہیں، جنگل جھاڑ جن کا کوئی مالک نہ ہو، آبادی کے اطراف کی وہ زمین جس میں آبادکار اپنے زرعی کاروبار کرتے ہوں مثلاً کھلیان وغیرہ لگاتے ہوں یا شوارع عام (عام راستے) یا آبپاشی کے عام خزانے وغیرہ ایسی چیزیں نہ حکومت کسی کو انفرادی طور پر ان کا مالک بنا سکتی ہے اور نہ قبضہ کر کے خود کوئی ان کو اپنی انفرادی ملک بنا سکتا ہے، اگر کوئی قبضہ بھی کر لے گا تو قانوناً غلط ہوگا اور ہمیشہ یہ پبلک جائداد ہی سمجھی جائے گی، گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ اسلام ان امور کے متعلق اپنا نقطۂ نظر اشتراکی رکھتا ہے، اجمالی طور پر تو ان امور کا یہی حال ہے، لیکن فقہا نے ان کی مختلف قسموں پر غور کیا ہے، اور بعض چیزوں کو اشتراک کے اس حکم سے مستثنیٰ بھی کیا ہے۔ مثلاً پانی کی انھوں نے چار قسمیں قرار دی ہیں

پانی کی مختلف قسمیں اور ان کے مختلف احکام صاحب بدائع لکھتے ہیں:-

المیاہ اربعۃ انواع الاول الماء الذی یکون فی الاوانی والظروف والثانی الذی یکون فی الآبار والحیاض والعیون والثالث ماء الانہار الصغار التی تکون لاقوام مخصوصین والرابع ماء الانہار العظام کجیحون وسیحون ودجلہ والفرات۔	پانی کی چار قسمیں ہیں، پہلی قسم پانی کی وہ ہے جو برتنوں اور ظروف میں ہو۔ دوسری قسم وہ ہے جو کنوؤں اور حوضوں اور چشموں میں ہو تیسری قسم وہ ہے جو ان چھوٹے دریاؤں اور ندیوں میں ہو، جن کا تعلق خاص خاص لوگوں یا حلقوں سے ہو، چوتھی قسم وہ ہے جو بڑی بڑی دریاؤں جیحون اور سیحون، دجلہ و فرات وغیرہ میں ہو

بڑے بڑے دریاؤں کا پانی پانی کے ان چار اقسام کے متعلق بالاتفاق سب کا یہ مذہب ہے کہ جو پانی بڑی بڑے دریا مثلاً جیحون وسیحون یا ہندوستان میں گنگا، جمنا، کرشنا، گوداوری کا ہے۔ یہ ملک کے تمام باشندوں کا پانی ہے۔ ہر شخص کو اس سے خود پینے کا، جانوروں کو پلانے کا، اور کھیتوں باغوں کے سینچنے کا قانونی حق ہے۔ صاحب بدائع لکھتے ہیں:-

الانہار العظام کسیحون وجیحون ودجلۃ والفرات ونحوھا فلا ملک لاحد	بڑے بڑے دریا مثلاً سیحون اور جیحون، دجلہ و فرات اور اسی قسم کے جو دریا ہیں کسی کی ان پر ملک نہیں ہو سکتی

فيها ولا في رقبة النهر ولا لاحد حق خاص فيها ولا في الشرب بل هو حق عامة المسلمين فلكل احد ان ينتفع بهذه الانهار بالشفة والسقي

نہ ان کے پانی کا کوئی ذاتی مالک ہو سکتا ہے اور نہ اس رقبہ زمین کا جس میں ان دریاؤں کا پانی بہتا ہے، اور نہ کسی خاص شخص کا ان کے ساتھ کوئی ذاتی حق متعلق ہو سکتا ہے نہ آبپاشی کا ذاتی حق ان دریاؤں کے متعلق کسی خاص شخص کو حاصل ہو سکتا ہے، بلکہ یہ عام مسلمانوں کا حق ہے اسی لیے ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ ان دریاؤں سے وہ نوشیدنی اور سیرابی دونوں قسم کے منافع اٹھا سکتا ہے۔

بڑے دریاؤں سے نہر نکالنا

صرف یہی نہیں بلکہ ان دریاؤں سے نہر کاٹ کر اگر کوئی اپنی زمین میں لائے اور کسی دوسرے کی زمین اس کے اس فعل سے برباد نہ ہوتی ہو یا باشندگان ملک کو اور کسی قسم کا نقصان نہ پہونچتا ہو تو کسی کو کوئی حق نہیں ہے کہ نہر کھودنے سے اس کو روکے حتیٰ کہ حکومت بھی یہ نہیں کر سکتی،

بدائع میں ہے:-

له ان يشق اليها نهرا من هذه الانهار وليس للامام ولا لاحد منعه عنه اذ لم يضرهم.

اس کا بھی ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اپنی زمین تک ان دریاؤں سے نہر کاٹ کر لے جائے اور نہ امام (حکومت) ہی کو اس کا حق ہے اور نہ کسی اور کو کہ اس فعل سے اس کو روکے بشرطیکہ اس نہر کی وجہ سے کسی کو ضرر نہ پہونچے۔

ان دریاؤں کے پانی کی قوت سے چکی وغیرہ چلانا یا موٹ چرس ان پر قایم کرنا

اسی طرح ہر باشندہ ملک کو اس کا بھی حق ہے کہ اس قسم کے دریاؤں اور ندیوں پر

ان ينصب عليه رحى ودالية وسانية (ہدایہ)

کہ ان پر پن چکی اور رہٹ موٹ وغیرہ قایم کرے

البتہ حکومت اور پبلک دونوں کو اس کا حق ہے کہ اس کے ان افعال سے خود نہر یا دریا کو کوئی نقصان نہ پہونچے اسکی نگرانی کریں، بدائع ہی میں ہے۔

كل واحد بسبيل من الانتفاع لكن بشريطة عدم الضرر

اگرچہ ہر شخص کو نفع گیری کا حق حاصل ہے بشرطیکہ اس کی نہر کی وجہ سے کسی کا کچھ نقصان نہ ہوتا ہو، تو یہی حکم

بالنھر کالانتفاع بطریق العامۃ وان اضر بالنھر فلکل واحد من المسلمین منعہ

اس کا بھی ہے جو عام شاہراہوں کا ہے لیکن اگر اس کی نہر سے نقصان پہونچتا ہو تو ہر مسلمان کو حق ہے کہ اس فعل سے اس کو روک دے۔

دریاؤں کے سوا پانی کے اقسام

اسی طرح پانی کی دوسری اور تیسری قسم یعنی مخصوص افراد کی زمینوں میں جو نہریں بہتی ہیں، یا مملوکہ زمینوں کے تالاب اور کنووں کا پانی، اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ

حق الشفۃ ثابت

نوشیدنی کا حق تو سب کے ہر فرد کو اس میں حاصل ہے

یعنی خود پینے یا اپنے جانوروں کو پانی پلانے کا حق تو اب بھی عام پبلک کو حاصل ہے البتہ چونکہ مملوکہ زمینوں سے اس پانی کو تعلق ہے۔ اس لیے زمین کے مالکوں کی اجازت کے بغیر دوسروں کو اس پانی سے باغوں یا کھیتوں کے سینچنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ہدایہ میں ہے:۔

فان اراد رجل ان یسقی بذالک ارضا احیاھا کان لاھل النھران یمنعوہ عنہ اضر بھم او لم یضر

(ہدایہ بیع صفحہ ۳۸۶)

اگر کوئی اپنی آباد کردہ زمین کو اس قسم کے پانی سے سینچنا چاہے تو نہر والوں کو حق ہے کہ اس کو روک دیں خواہ اس سے ان کو نقصان ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔

نہروں کنووں تالابوں کے پانی کے فروخت کا حکم

مگر بایں ہمہ اس قسم کے پانی کے بیچنے یا اجارہ کی بھی اجازت نہیں ہے فقہاء اس باب میں ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ

نھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن بیع نقع البیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کنووں کے سوتے کے پانی کو کوئی فروخت کرے۔

"نقع البیر" کا ترجمہ صاحب بدائع نے "فضل ماءہا" سے کیا ہے یعنی کنووں کا زائد از ضرورت پانی بہر حال اس حدیث کی وجہ سے پینے پلانے سے تو کسی کو کوئی روک نہیں سکتا لیکن اگر ہر شخص کو ایسی نہروں، یا تالابوں یا باؤلیوں سے آبپاشی کی عام اجازت دے دی جائے گی تو جیسا کہ صاحب بدائع لکھتے ہیں

کل احد یتبادر الیہ فیسقی منہ زراعۃ واشجارہ فیبطل حقہ اصلا۔

پھر ہر شخص پیش قدمی کر کے اس پانی سے نفع اٹھانا چاہے گا اور اس سے اپنے کھیت اور باغ کو سیراب کریگا، پس نفی ہی اسے نہر والوں کا حق بھی مارا جائیگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے پانی میں اشتراکیت کا نظریہ صرف "حق الشفۃ" یعنی نوشیدنی تک محدود ہے، پھر فقہانے اس کی مختلف شکلوں کے احکام بھی لکھے ہیں۔ مثلاً اگر کنوئیں یا تالاب کا مالک پبلک کو اپنی زمین سے آنے سے روکے اور کہے کہ "تمہارا پانی پر تمہارا حق ہے لیکن میری مملوکہ زمین کے احاطہ میں داخل ہونے کی تو اجازت نہیں تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ اگر نوشیدنی کی ضرورت پبلک کسی اور ذریعے پوری کر سکتی ہے تو جھگڑنے کی حاجت نہیں لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر کنوؤں کے مالکوں کو مجبور کیا کیا جائے گا کہ یا تو وہ لوگوں کو اپنے کنوئیں سے پانی لینے دیں ورنہ کوئی نظم کریں کہ لوگوں تک ان کا قانونی حق پہونچ جائے، یعنی ان تک اور ان کے جانوروں تک پانی پہونچ جائے۔ پھر اس حق پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ دونوں باتوں میں سے کسی پر اگر وہ راضی نہ ہو تو پبلک کو حق ہے کہ باضابطہ مسلح ہو کر اس سے جنگ کریں اور اپنا حق حاصل کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسی قسم کی ایک صورت پیش آئی تو آپ نے فرمایا۔

ھلا وضعتم فیھم السلاح (بدائع)	(تم نے ان کے مقابلہ میں ہتھیار (طاقت) کو کیوں استعمال نہیں کیا؟

پانی کی وہ قسم جو بک سکتی ہے

پانی کی چوتھی قسم یعنی جب برتنوں یا مشکوں میں پانی بھر لیا گیا ہو تو اس قسم کے پانی میں انفرادی ملکیت پیدا ہو جاتی ہے۔ صاحب بدائع لکھتے ہیں۔ کہ اب اس پانی کی حیثیت ایسی ہو گئی کہ

کما استولیٰ علی الحطب والحشیش والصید۔	کوئی (جنگل) کی لکڑیاں اور گھاس اور شکار پر قابو پالے) (تو وہ اس کی مالک بن جاتا ہے)

کہ ان چیزوں سے استفادہ کا حق اگرچہ پبلک کے ہر فرد کو حاصل ہے لیکن جب ان پر کسی کا قبضہ ہو گیا تو قبضہ کرنے والے کی وہ ملک ہو جاتی ہیں، اسی طرح برتن اور مشک کا پانی بھی مملوک ہو جاتا ہے۔

فیجوز بیعہ	اور ایسی صورت میں (مشک و برتن وغیرہ کے پانی کا فروخت کرنا بھی جائز ہے۔

اس قسم کے پانی کی بیع و فروخت کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ

السقاؤن یبیعون المیاہ المحرزۃ	برتنوں میں جس پانی کو محفوظ کر لیا گیا ہو اس کو

فی الظروف به جرت العادة فی الامصا فی سائر الاعصار من غیر نکیر (بدائع)

بہشتیوں کی جماعت ہمیشہ سے بھیجتی رہی ہے تمام اسلامی شہروں اور ملکوں میں بھی ہمیشہ سے بلانکیر اس کا عام رواج رہا ہے۔

اس لیے اس پانی کے متعلق حکم ہے کہ

فلم یحل لاحد ان یاخذ منه لیشرب من غیر اذنه

جائز نہ ہوگا کہ پانی کے مالک کی اجازت کے بغیر کوئی اس کو لے اور پیئے۔

البتہ ایسی صورت میں کہ پیاس سے کسی کی جان پر بن آئے اور دوسرے کے برتن میں زائد از ضرورت پانی ہو تو غیر مسلح لڑائی کر کے پانی زبردستی چھین کر پی سکتا ہے۔

شدید ضرورت کی دوسری چیزوں میں بھی اشتراکیت کا نقطۂ نظر

اور یہ حکم کچھ پانی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہلاکت کے اندیشہ کی صورت میں زائد از ضرورت چیز دوسرے سے آدمی زبردستی چھین کر استعمال کر سکتا ہے خواہ کھانا ہو یا اسی قسم کی دوسری چیز۔ ہدایہ میں ہے کہ

وکذا الطعام عند اصابة المخمصة (صـ ۳۸۳ ج ۴)

(یعنی یہی حکم کھانے کا بھی ہے شدت بھوک میں)

مملوکہ پانی میں بھی ایک گونہ اشتراکیت کا اثر

لیکن پانی برتن ہی والا کیوں نہ ہو۔ حدیث میں چونکہ (الماء) مطلق پانی میں عام لوگوں کو شریک قرار دیا گیا ہے اس لیے فقہاء اسلام نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بلا ضرورت اگر کسی کی مشک یا برتن سے آدمی پانی چرا لے تو چوری کی شرعی سزا (قطع ید) کا حکم اس پر نہ لگایا جائے گا۔ خواہ اس پانی کی قیمت اسی قدر کیوں نہ ہو جس کے چرانے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے، ہدایہ میں ہے:۔

لو سرقه انسان فی موضع یعز وجوده وهو یساوی نصابا لم تقطع یده (کتاب الشرب جلد ۴ صـ ۳۸۶)

اگر کسی ایسے مقام میں جہاں پانی مشکل سے میسر آتا ہو مگر کوئی (برتن) کے پانی چرا لے تو چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، خواہ پانی کی قیمت اسی قدر کیوں نہ ہو جس پر ہاتھ کٹتا ہو۔

کیونکہ بہر حال ایک گونہ شرکت کا شبہ اس میں پیدا ہو گیا ہے اور شبہ کی صورت میں اس قسم کی سزائیں

نہیں دی جاتیں۔

مچھلیوں کا حکم پانی ہی کے ذیل میں مچھلیوں کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے سوال یہ ہے کہ جس طرح ہوا کے پرندوں کا کوئی مالک نہیں ہے اور جو ان پر قبضہ کرے گا وہی مالک ہو جاتا ہے اور بعض اس لیے کہ کسی کے تالاب یا باغ یا کھیت میں یہ پرندے چرتے چگتے ہیں، یا رہتے ہیں، یا آتے جاتے ہیں، کوئی ان کو فروخت نہیں کر سکتا حتیٰ کہ حکومت کو بھی اس کا اختیار نہیں ہے کہ اس قسم کی خشکی یا تری کے جانوروں کو کسی کی انفرادی ملکیت قرار دے چنانچہ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔

الامام لا یملک ان یخص واحداً دون واحد بذالک حتی لو امر واحداً ان یاخذ شیئاً ... صیداً بعینہ من برا وبحر لا یملک المامور قبل الاخذ والاصطیاد (ہدایہ مفتی ج ۴)	امام (حکومت) کو اس کا اختیار حاصل نہیں ہے کہ کسی خاص شخص کو ان امور کی خصوصی ملکیت عطا کرے تا آنکہ اگر کسی کو امام حکم دے کہ فلاں خاص شکار کو پکڑے خواہ خشکی کا ہو، یا دریا کا تو جسے حکم دیا گیا ہے وہ شکار پکڑنے سے پہلے اس شکار کا بھی مالک نہیں ہو سکتا۔

سوال ہوتا ہے کہ جب ہوا کے جانوروں کا یہ حکم ہے تو مچھلیاں جن کی حیثیت پانی میں وہی ہے جو ان وحشی پرندوں کی ہوا میں ہے، ان کو بھی کوئی بیچ سکتا ہے یا نہیں ؟ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ایک خاص باب اس مسئلہ میں باندھا ہے۔ خود ان کا اور امام ابو حنیفہ وغیرہ کا خیال یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ غیر مملوک شئے کی بیع ہے۔ بلکہ ممانعت کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ خریدار کے متعلق دھوکہ کھا جانے کا اندیشہ ہے کہ پانی کے اندر کا حال اس کو کیا معلوم ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے یہ فتویٰ قاضی صاحب نے نقل کیا ہے کہ

لا تتبایعوا السمک فی الماء فانہ غرر	مچھلی کو پانی کے اندر نہ بیچا کرو کہ اس میں دھوکہ ہے

اسی قسم کے الفاظ ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بھی منقول ہیں لیکن اسی کے مقابلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی کتاب الخراج میں یہ بھی مروی ہے کہ رس نامی مقام میں جو یمن میں واقع ہے

انہ وضع علی اجمۃ برس اربعۃ آلاف	رس نامی مقام کے اجمہ (آبی نیستان) پر حضرت علی کرم اللہ

دراہم وکتب لهم کتابا فی قطعة ادم۔ (کتاب الخراج ص۹۵)

وجہہ نے چار ہزار درہم مشخص فرمایا اور چمڑے کے ایک ٹکڑے پر ان کو اس کا پٹہ لکھکر دیا۔ (اجمہ کے لفظ کی تحقیق آگے آرہی ہے۔)

صرف یہی نہیں کہ حکومت نے اس خزانہ آب کو چار ہزار درہم میں بندوبست کیا بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی اس کتاب میں یہ مروی ہے کہ عبدالحمید بن عبدالرحمن نے جو ان کے صوبہ دار تھے انھوں نے

یسئلہ عن بیع صید الآجام

آجام (آبی بستانوں) کے شکار کے متعلق دریافت کیا کہ کیا ان کو فروخت کیا جائے؟

جواب میں عمر عبدالعزیز نے فرمان بھیجا:۔

ان لا باس به وسماه الحبس۔ (کتاب الخراج ص۱۱۱)

اس کے فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس کا نام انھوں نے "الحبس" رکھا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تالاب کی مچھلیوں کے متعلق ابتدا سے کچھ اختلاف چلا آتا ہے خود قاضی ابو یوسف نے بھی لکھا ہے کہ اگر ایسے گڑھے میں مچھلی ہو جو بغیر شکاری تدابیر کے ہاتھ آجائے تو اس کے بیچنے میں حرج نہیں بلکہ آگے بڑھ کر ان کے الفاظ یہ بھی ہیں:۔

ومثله اذا کان یوخذ بغیر صید کمثل سمك فی الجب (کتاب الخراج ص۷)

اور یہی حال ان مچھلیوں کا ہے جو بغیر شکاری تدابیر کے پکڑی جاتی ہوں، جیسا کہ ان مچھلیوں کا بیچنا جائز ہے جو کنوئیں میں ہوں۔

ان تمام اقوال کے دیکھنے سے فیصلہ کی صورت یہی معلوم ہوتی ہے کہ سمندروں، دریاؤں، ندیوں وغیرہ کی مچھلیاں جو بند اور محدود پانی میں نہیں رہتی ہیں ان کو نہ حکومت بیچ سکتی ہے اور نہ شکار کرنے سے پہلے کوئی اور بیچ سکتا ہے، بلکہ وہ عام پبلک کی چیز ہے، ملک کے ہر باشندہ کو ان کے شکار اور ان سے استفادہ کا حق ہے۔ البتہ اگر محدود اور بند پانی مثلاً تالابوں وغیرہ میں ہوں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے کے مطابق ان کے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں خصوصاً ایسی مچھلیاں جنھیں اس زمانہ میں لوگ اپنے مخصوص تالابوں میں خرید کر پالتے ہیں یعنی ان کے بچے جنھیں زیرہ کہتے ہیں خرید کر تالابوں میں چھوڑ دیتے ہیں چونکہ

قبضہ کرنے اور مملوک بنانے کے بعد ان کو تالابوں میں چھوڑ دیا جاتا ہو تو ظاہر ان کے فروخت میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن آبادیوں کے اطراف و جوانب کے تالابوں یا جوہڑوں میں جو قدرتی خود رَو مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ اگر زمیندار اور جاگیر داران گاؤں کے عام باشندوں کو شکار کرلینے کی بغیر کسی معاوضہ کے اجازت دے دیا کریں تو کم از کم حنفی مذہب کی رو سے اسلام نے عوام کا جو معاشی حق قایم کیا ہو اس سے محروم کرنے کے وہ مجرم نہ ہوں گے۔

مچھلیوں کے سوا دوسری آبی پیداواروں کا حکم

مچھلیوں کے ساتھ سمندر اور دریا، ندی وغیرہ کی دوسری پیداواروں کا بھی سوال اسلامی فقہ میں اُٹھایا گیا ہو۔ ہمارے امام ابوحنیفہ کا تو کھلا ہوا فیصلہ ہو کہ خواہ جس قسم کی چیز بھی ہو اس کی کتنی ہی قیمت ہو، مثلاً عنبر ہو یا موتی ہو یا اس کے سوا کوئی اور چیز ہو سب کا حکم وہی ہو جو مچھلیوں کا ہو یعنی ملک کے عام باشندوں کا وہ مشترک سرمایہ ہو جس کا جی چاہے انھیں نکال سکتا ہو اور فائدہ اُٹھا سکتا ہو حکومت تک کو اس سے کسی قسم کے محصول لینے کا حق نہیں ہو۔ قاضی ابو یوسف نے اس کا بھی "کتاب الخراج" میں ایک مستقل باب باندھا ہو اور لکھا ہو کہ

قد کان ابوحنیفۃ و ابن ابی لیلی یقولان لیس فی شیئ من ذالک شیئ لانہ بمنزلۃ السمک	ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلی دونوں کا خیال تھا کہ سمندری پیداواروں (مثلاً عنبر موتی وغیرہ) میں سے کسی پر کوئی محصول یا ان کی قیمت نہیں وصول کی جائیگی ان سب کا حکم وہی ہو جو مچھلیوں کا ہو۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک فرمان کی بنا پر قاضی ابو یوسف نے خود یہ مسلک اختیار کیا ہو کہ دریا کی وہ چیزیں جو بطور زیور یا خوشبو کے استعمال ہوتی ہیں (مثلاً موتی مرجان عنبر وغیرہ اس حکم سے مستثنےٰ ہیں۔ ان کا خیال ہو کہ

فی ذالک خمس و اربعۃ اخماسہ لمن اخرجہ	حکومت ان پیداواروں سے خمس (پانچواں حصہ) وصول کرے گی اور باقی چار خمس (حصے) اس شخص کے ہوں گے جس نے اسے نکالا۔

لیکن ان کے سوا اور تمام چیزوں کے متعلق ان کا بھی وہی خیال ہو جو امام کا ہو

اما فی غیرھا فلا شیٔ فیہ۔

جو چیزیں بطور زیور (حلیہ) اور خوشبو کے استعمال ہوتی ہیں تو ان کے سوا سمندر کی اور چیزوں پر کچھ نہیں ہے

حضرت عمرؓ کے جس فرمان سے انھوں نے حلیہ اور عنبر کو مستثنیٰ کیا ہے وہ یہ ہے کہ یعلیٰ بن امیہ کو حضرت عمرؓ نے بحر (سمندر) کے علاقوں یا بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا تھا یعلیٰ نے بارگاہ خلافت میں یہ لکھ کر پوچھا:۔

عنبرۃ وجدھا رجل یسئل عنھا وعما فیھا۔

عنبر (مچھلی جس سے عنبر نکلتا ہے) ایک شخص کو ملی ہے وہ اس مچھلی اور جو کچھ اس کے اندر سے برآمد ہوگا اس کے متعلق پوچھتا ہے۔

جواب میں یہ فرمان گیا کہ

فیما اخرج اللہ جل شانہ من البحر الخمس (کتاب الخراج)

سمندر سے اللہ تعالیٰ جن چیزوں کو برآمد کرتے ہیں انہیں خمس (پانچواں حصہ) حکومت کا حق ہے۔

اس فرمان کے راوی ابن عباس ہیں، خود بھی فرماتے ہیں:۔

وذالک رائی

اور میری بھی یہی رائے ہے۔

بہرحال یہ سارے مباحث تو الماء (یعنی پانی) کے تھے جس میں آنحضرت نے ملک کے عام باشندوں کو شریک قرار دیا ہے۔ گزشتہ بالا مسائل گویا اسی اشتراکی نظریہ کی تفصیل تھی۔

سیال معدنیات کے احکام پانی اور پانی کے خزانوں اور چشموں کے ساتھ چونکہ بعض سیال معادن کو فقہائے اسلام نے اسی ذیل میں شمار کیا ہے حتیٰ کہ قاضی ابو یوسف نے تو کتاب الخراج میں صاف طور پر لکھ دیا ہے۔

لیس فی النفط والقیر والزئبق والمومیا ان کان الشیٔ من ذالک عین فی الارض شیئی نعلمہ کان فی ارض عشر او فی ارض خراج (کتاب الخراج صفحہ ۹)

جہاں تک میں جانتا ہوں مٹی کے تیل (نفط) اور قیر (تارکول) اور مومیائی میں کچھ نہیں ہے بشرطیکہ زمین سے ان کا کوئی چشمہ ابلتا ہو، خواہ یہ چشمے عشری زمین میں ہوں یا خراجی زمین میں۔

لیکن یہ اجمالی بیان ہے ورنہ جیسے پانی کے مختلف اقسام کے مختلف احکام تھے ان معدنی چیزوں کا بھی یہی حال ہے۔ گنجایش کی حد تک اس کے بھی ضروری مسائل درج کیے جاتے ہیں۔ اس مسئلہ کا پہلے بھی کچھ ذکر آچکا ہے۔ لیکن اس وقت ہم اس کو شرح الکبیر للمقنع الحنبلی سے نقل کرتے ہیں۔

اہمیں ہے۔

لا تملک المعادن الظاهرة کالملح والقار والکحل والجص والنفط بالاحياء وليس للامام اقطاعه (ج ۶)

ایسے معادن جنھیں معادن ظاہرہ کہتے ہیں مثلاً نمک اور قار (تارکول) سرمہ، گچ نفط (مٹی کا تیل) وغیرہ کے معدنوں کا کوئی شخص ذاتی طور پر مالک نہیں ہو سکتا، نہ "احیاء" اور آباد کر کے ان کو اپنی ملک بنا سکتا ہے اور نہ حکومت کو حق ہے کہ کسی خاص شخص کی شخصی جاگیر میں ان چیزوں کو دے۔

یہ تو متن کی عبارت ہے۔ شرح اس کی یہ کی گئی ہے کہ

المعادن الظاهرة وهي التی يوصل الی ما فيها من غير مؤنة ينتابها الناس وينتفعون بها کالملح والکبريت والقير والموميا والنفط والکحل والياقوت ومقاطع الطين واشباه ذلک لا يملک بالاحياء ولا يجوز لاحد من الناس ولا احتجازه دون المسلمين لان فيه ضرر المسلمين وتضييقا عليهم (المغنی لابن قدامہ ج ۶ ص ۱۵۱)

ایسے معادن جو ظاہری معادن کہلاتے ہیں جنکی تعریف یہ ہے کہ ان تک بغیر کسی محنت و مشقت کے رسائی ہوتی ہے، لوگوں کی اس پر آمد و رفت جاری ہے، اور اس سے عام لوگ نفع اٹھاتے ہوں، مثلاً نمک، گندھک، قیر (تارکول) مومیائی، نفط (مٹی کا تیل) سرمہ، یاقوت، مٹی نکالنے کی جگہ (شکور) اور اسی قسم کی اور چیزیں، آباد کر کے بھی کوئی ان کا مالک نہیں ہو سکتا، اور نہ کسی کیلیے ایسا کرنا جائز ہے اور نہ یہ درست ہے کہ عام مسلمانوں کو ان سے استفادہ سے روکا جائے کیوں کہ اس سے مسلمانوں کا نقصان ہے اور ان پر تنگی و ضیق عائد کرنا ہے۔

نمک کا مسئلہ گزشتہ بالا عبارتوں سے جہاں اور باتیں ثابت ہو رہی ہیں وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نمک کی کان بھی پبلک کا مشترک سرمایہ ہے، نہ وہ انفرادی ملکیت بن سکتی ہے اور نہ حکومت اس پر کوئی محصول

عائد کر سکتی ہے اور اسی بنا پر بعض علمائے ہندوستان میں پچھلے دنوں یہ عام فتویٰ دیا تھا کہ اسلامی حیثیت سے نمک سازی پر محصول لگانا یا حکومت کو نمک بنانے سے لوگوں کو روکنا جائز نہیں ہے۔ مجھے سیاسی مصالح سے بحث نہیں لیکن علمائے متعلق یہ ضرور خیال آتا ہے کہ مسئلہ کو ہمیشہ اس کے تفصیلات کے ساتھ سلیب میں پیش کرنا ان کی دیانت کا اقتضا ہونا چاہیے۔ نمک کی ایسی کانیں جن میں مندرجہ بالا صفات پائے جاتے ہوں۔ یعنی (۱) لوگوں کی رسائی بلا خرچ نمک تک ہوتی ہو۔ (۲) عام لوگوں کی آمد و رفت اس کان پر لگی ہوئی ہو اور لوگ اس سے نفع اٹھا رہے ہوں تو بلاشبہ نمک کی ایسی کانوں کے متعلق اسلامی نقطہ نظر وہی ہے لیکن اگر بجائے اس کے صورت حال یہ ہو کہ

کان بقرب الساحل موضع اذا جعل فیہ الماء صار ملحا۔

سمندر کے کنارے کوئی ایسی جگہ ہو کہ جب سمندر کا پانی اسمیں آکر جمع ہو جائے تو نمک بن جاتا ہو،

تو اس کے متعلق فقہاء کا عام فتویٰ یہ ہے کہ

ملک بالاحیاء و للامام اقطاعہ۔

تو اس کا آدمی مالک ہو جاتا ہے، احیاء (آبادی) کے ذریعہ سے بھی اور امام (حکومت) اس کو افراد کی جاگیر میں بھی دے سکتی ہے۔

اس قسم کی زمینوں کے "احیاء" یا زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ

تھیئتہ لما یصلح لہ من حفر ترابہ وتمھیدہ وفتح قناۃ الیہ تصب الماء الیہ۔

جس کام کی اس میں صلاحیت ہو، اس کے لیے اسکو تیار کرنا یعنی اس کی مٹی کھودنی، اس کو کشادہ کرنا دریا وغیرہ سے نالی (پانی لائن) نکال کر اس گڑھے تک لانا تاکہ اس کا پانی اسمیں آکر گرے۔

نمک بنانے کے لیے سمندر کی ان ساحلی زمینوں کو بندوبست کرنے کا حکومت کو اختیار کیوں ہے اور ان میں انفرادی ملکیت کیوں پیدا ہو جاتی ہے؟ اس کی وجہ فقہا نے یہ لکھی ہے کہ

لانہ لا یضیق علی المسلمین باحداثہ بل یحدث نفعہ بفعلہ فلم یمنع منہ کبقیۃ الموات (المغنی ج ۶ ص ۱۵۸)

کیونکہ سمندر کے کنارے اس قسم کے کارخانے کے قائم کرنے سے مسلمانوں میں کوئی تنگی پیدا نہیں آتی بلکہ اس زمین کا نفع آباد کرنے والے کے عمل سے پیدا ہوگا تو بس اس کو اس عمل سے نہیں روکا جائیگا جیسے موات کی دوسری زمینوں کے آباد کرنے سے وہ نہیں

روکا جاسکتا۔

بہرحال نمک کے مسئلہ میں یہ تفصیل ہے جس کو نظرانداز نہ کرنا چاہیے۔

عام معدنیات کا حکم اور صرف نمک ہی نہیں بلکہ اس کے سوا بھی جن معدنی اشیا کا ذکر کیا گیا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں انفرادی ملکیت پیدا نہیں ہو سکتی تو اس حکم کو بھی ہر قسم کی کانوں کیلیے عام حکم نہ سمجھنا چاہیے بلکہ یہ حکم بھی ان ہی معدنی چیزوں تک محدود ہے جو خودبخود باہر آگئی ہوں اور لوگ اس سے نفع اٹھاتے ہوں اور نہ ایسے معادن جن کو فقہی اصطلاح میں "معادن باطنہ" کہتے ہیں اور جن کی تعریف شرح کبیر میں یہ کی گئی ہے۔

هي التي لا يوصل اليها الا بالعمل والمؤنة۔ (ص۱۵۱ ج ۶)	یہ ان کانوں کو کہتے ہیں جن کی پیداواروں تک رسائی بغیر عمل اور مشقت اور محنت کے نہیں ہو سکتی۔

پھر اس کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

لم تكن ظاهرة فحفرها انسان و اظهرها۔	یعنی ابتداءً قدرتی طور پر وہ معدن ظاہر نہ تھا پھر کسی نے کھود کر اس کو نکالا اور نمایاں کیا۔

اس قسم کے معادن کی مثال میں حسب ذیل چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

كمعادن الذهب والفضة والرصاص والبلور۔	جیسا کہ سونے، چاندی، سیسہ، بلور وغیرہ کی کانوں کا حال ہے۔

بہرحال ایسے معادن جن سے انتفاع بغیر عملی جدوجہد اور مصارف کے نہیں ہو سکتا خواہ وہ کسی قسم کی ہوں، اگرچہ بعض فقہاء ان میں بھی انفرادی ملکیت کے قائل نہیں ہیں اور ان کا مذہب ہے کہ حکومت کسی انفرادی شخصیت کے ساتھ ان کو بھی بندوبست نہیں کر سکتی لیکن صاحب مغنی نے لکھا ہے کہ

والصحيح جواز ذالك	درست یہی ہے کہ ان کانوں کا بندوبست کرنا جائز ہے

یعنی "انفرادی ملکیت" بن سکتی ہیں۔ اور حکومت کو اس کا اختیار ہے کہ کسی واحد شخص کے ساتھ اس کا بندوبست کر دے۔ "جواز" کے ثبوت میں ابوداؤد کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم اقطع لبلال بن حارث معادن	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث کو قبلیہ کے معادن خواہ پست علاقوں میں ہوں خواہ

القلیلہ جلیلہا و عوبریھا	بلند تعلقات ہیں اور باجگیر کے عطا فرمایا۔

اور اس سے ثابت ہوا کہ صرف جامد معادن ہی نہیں بلکہ سیال معادن مثلاً پارہ۔ پٹرول۔ کول وغیرہ ایسے معادن جن کے کھودنے اور نکالنے میں مصارف اور محنت پڑتی ہو، وہ انفرادی ملکیت بنا سکتے ہیں اور حکومت ان کو بندوبست کر سکتی ہے لیکن کیا حکومت کو ان معدنی پیداواروں پر کسی قسم کے محصول عائد کرنے کا بھی حق ہے یا بغیر کسی ڈیوٹی کے ملک کے باشندے ان سے مستفید ہو سکتے ہیں اس سوال کا تفصیلی جواب تو آئندہ حکومت کی آمدنی کے ذیل میں دیا جائے گا لیکن اسلامی معاشیات کی وسعت نظری کا سرسری اندازہ کرنے کے لیے غالباً اس مسئلہ کا ذکر بیجا نہ ہوگا جو فقہ کی عام کتابوں میں پایا جاتا ہے ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

اعلم ان ما یستخرج من المعدن ثلاثہ انواع جامد یذوب و ینطبع کالنقدین والحدید وما جامد لا ینطبع کالجص والنورۃ والکحل والزرنیخ وسائر الاحجار کالیاقوت والملح وما لیس بجامد کالماء والقیر والنفط۔ فتح القدیر (ج۱)	کانوں سے جو چیز نکلتی ہے وہ تین قسم کی ہوتی ہے ایسی جامد چیزیں جو پگھل سکتی ہوں اور چھاپ قبول کر سکتی ہوں مثلاً سونے چاندی لوہے وغیرہ دھاتوں کا جو حال ہے دوسری قسم وہ ہے جو جامد اور غیر سیال ہی ہو، اور چھاپ قبول نہ کر سکتی ہو مثلاً گچ، چونا، سرمہ، ہڑتال وغیرہ یہ ان تمام چیزوں کا حال ہے جن کا شمار پتھروں کے ذیل میں کیا

جاتا ہے مثلاً یاقوت، نمک وغیرہ، تیسری قسم وہ ہے جو جامد نہ ہو بلکہ سیال ہو مثلاً پانی، تارکول مٹی کا تیل۔

ان تینوں قسموں کو بیان کرنے کے بعد آئندہ جو چیز انھوں نے لکھی ہے دنیا کی حکومتوں کی شاید اس سے آنکھیں کھل جائیں اور موجودہ حکومتوں کی رعایا میں کسی حکومت کے اس نقطۂ نظر کو سن کر معلوم نہیں کس قسم کے جذبات متلاطم ہونے لگیں۔ ابن ہمام نہایت سادگی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک

لا یجب الخمس الا فی الاول۔	خمس (پیداوار کا پانچواں حصہ) صرف پہلی قسم سے حکومت وصول کر سکتی ہے۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ قسم اول کے سوا اور تمام معدنی پیداواریں ہر قسم کے محصول سے آزاد ہیں، اور یہ تو امام ابو حنیفہ کا خیال ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس سے بھی آگے قدم بڑھایا ہے کہ

وعند الشافعی لایجب الا فی النقدین	بجز سونے چاندی کے اور کسی پر یہ خمس واجب نہیں ہے۔

اگرچہ اس مسئلہ کے متعلق بھی بعض تفصیلات ہیں جن پر بحث کا یہاں موقع نہیں ہے اور بالفعل اتنا اجمالی بیان ہی کافی ہو سکتا ہے۔

حدیث "الناس شرکاء" میں جن جن چیزوں کو پبلک کا مشترک سرمایہ قرار دیا گیا ہے اب تک اس کے صرف پہلے جزء "الماء" (پانی) اس کے متعلقات کی گویا یہ تفصیل تھی، باقی دو جز اور رہ گئے یعنی "الکلاء" اور "النار" ان کے بارہ میں اسلامی قانون میں جو تفصیلات ملتی ہیں اب قارئین کرام وہ ملاحظہ فرمائیں (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ) یہاں نوعیت یہ نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ کسی بھلی نیت سے ان جادوگروں اور شعبدہ بازوں کا "تماشہ دیکھنے" گئے ہیں، بلکہ صورت یہ ہے کہ انھوں نے بحیثیت پیغمبر فرعون کو حق کی دعوت دی تھی اور اسکی طلب پر اپنی نبوت کے دو نشان (معجزے) بھی دکھلائے تھے، جسکے متعلق اس نے کہدیا تھا کہ یہ سب جادو کا کرشمہ ہے اور ہم تمہارے مقابلہ کیلیے اپنے جادوگروں کو بلاتے ہیں، اب حضرت موسیٰ فرعون کا یہ چیلنج قبول کر کے جادو کا یہ آخری حیلہ ختم کرنے ہی کیلیے اور علی رؤس الاشہاد احقاق حق و ابطال کیلیے اس معرکہ میں آئے ہیں ـــــ انکا یہ پروگرام یہ نہیں ہے کہ اس وقت تو وہ تماشہ بینوں ہی کی طرح شریک تماشہ رہ کر بس خاموش نظارہ کرتے رہیں گے اور کبھی بعد میں کسی مجلس میں (یا کسی اخبار میں) اسکے اجزا پر بصیرت افروز تبصرہ فرمائینگے بلکہ وہ اس عزم سے آئے ہیں کہ بعون اللہ تعالےٰ وہ سحر و ساحری کے اس سارے تماشے کو اسی مجلس ہی میں خاک میں ملادیں گے ـــــ چنانچہ ان ساحروں نے جیسے ہی اپنی جادوگری اور شعبدہ بازی کے کرشمے دکھانا شروع کیے حضرت موسیٰ نے فوراً للکار کر فرمایا۔

مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ہ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ	تم جو کچھ بناکر لائے ہو یہ جادو ہے، لو دیکھو اللہ ابھی اسے ملیامیٹ کیے دیتا ہے اللہ کا قانون ہے کہ وہ فسادیوں کے کام بننے نہیں دیتا، اور اللہ حق ہی کو حق ثابت کرکے دکھائے گا۔ اگرچہ مجرموں (کافروں) کو یہ گوارا نہ ہوا۔

اور پھر بعون اللہ اس مجلس ہی میں بلکہ انہی لمحات میں معجزانہ طور پر انھوں نے "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" کا عبرت انگیز اور ہدایت افروز نظارہ دکھلا بھی دیا، کہ جیسے ہی انھوں نے اپنا عصا ڈالا وہ جادو کے سارے سانپ بچھوؤں کو نگل گیا، حق سربلند ہو کر چمکا اور باطل روسیاہ ہو کر فنا کے گھاٹ اتر گیا۔

پس کجا حضرت موسیٰ کا یہ حق افروز اور باطل سوز پیغمبرانہ عمل اور کجا ہماشما کا سینما کے تماشوں میں اس نیت اور اس غرض سے جانا کہ شیطانی ترقیوں کی رفتار معلوم کی جاسکے اور گھر آکر اطمینان سے اپنے اخبار کے کالم میں کچھ ہی تبصرہ فرمادیا جائے۔ بس ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے!

مسئلہ تصویر علم و عقل کی روشنی میں

(از جناب مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی)

(۲)

[اس مضمون کی پہلی قسط ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ کے الفرقان میں شائع ہوئی تھی، یہ دوسری قسط دفتر الفرقان میں اگرچہ قریباً تین مہینے پہلے پہنچ چکی تھی لیکن اشاعت کی نوبت اب آ رہی ہے اس تاخیر کیلئے ہم محترم مضمون نگار اور ناظرین کرام سے معذرت خواہ ہیں ـــــ مدیر]

عام طور پر تصاویر کے جو اثرات انسان کے افکار و کردار پر پڑتے ہیں مقالہ ہذا کی پہلی قسط میں ان کی طرف کچھ اشارات کیے جا چکے ہیں، لیکن تصویر میں بعض خصوصیات پیدا ہو جانے سے اس کے اثرات میں بھی شدت و قوت پیدا ہو جاتی ہے، اور منجملہ ان اشیاء کے جو تصویر کی تاثیرات قبیحہ میں اضافہ کر دیتی ہیں، ایک حرکت بھی ہے، یعنی تصویر جب متحرک ہوتی ہے (جیسا کہ سینما میں ہوتا ہے) تو اس کی یہ حرکت اور بھی زیادہ غضب ڈھاتی ہے اور اس کے زہریلے اثرات میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ اس لیے کہ حرکت سے قوت کا اظہار ہوتا ہے، اور قوت کا ظہور جس شے سے ہوتا ہو وہ نسبتاً اس شے سے زیادہ موثر ہوتی ہے جس سے قوت و طاقت کا ظہور نہ ہوتا ہو، مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ سڑک کوٹنے کا انجن جب تک حرکت نہ کرے اس وقت تک سڑک کے کنکر اس سے نہیں ٹوٹتے علیٰ ہذا چکی کے پاٹوں کے بیچ میں اگر گیہوں وغیرہ دبا دیے جائیں لیکن ان پاٹوں کو مسلسل حرکت نہ دی جائے تو صرف دب جانے سے گیہوں آٹا نہیں بن جاتے تو خاص مادیات و محسوسات میں بھی اس قسم کے مشاہدات اس کا ثبوت ہیں کہ حرکت (خواہ کسی شے کی ہو) متحرک شے کی قوتِ تاثیر میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور کر دیتی ہے، اور نظری طور پر اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ حرکت، آثار حیات میں سے ہے اور سکون، عدم حیات (موت) کا مقتضیٰ اور ظاہر ہے کہ زندگی اور اس کے آثار میں جو قوت و تاثیر ہو سکتی ہے وہ موت اور اس کے خواص میں کہاں؟ ـــــ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ متحرک تصاویر (سینما) کا اثر بہ نسبت عام غیر متحرک تصاویر کے انسان کے افکار و رجحانات، اخلاق و افعال و اعمال پر زیادہ پڑتا ہے، پس

تصاویر کے وہ تمام قبیح اثرات جو اس سلسلہ کی پہلی قسط میں بیان کیے گئے تھے وہ سب ہی متحرک تصاویر کے اس نظارہ سے جس کا نام سینما ہے اور زیادہ قوت و شدت کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سینما کے وجود میں آنے کے بعد سے لوگوں کے اخلاق و عادات جس سرعت کے ساتھ زوال پذیر ہوئے ہیں اور جس طرح ان میں فواحش، بے حیائیوں اور بدکرداریوں کا رواج ہوا ہے وہ اپنی آپ نظیر ہے۔

پرانے زمانہ کی غیر متحرک تصویروں سے جو قبیح و شرمناک اثرات صدیوں میں بھی نہیں پھیل سکے تھے متحرک تصاویر کی اس ایجاد (سینما) سے وہ آٹھ دس سال میں پھیل گئے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

سینما کے قبیح اثرات کی شدت و قوت کا ایک دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ اس کی تصاویر میں تسلسل و ربط ہوتا ہے، اور یہ ربط و تسلسل نیز واقعات کی مکمل عکاسی و نقاشی، یہ امور بھی ایسے ہیں جو تصویر کے اثرات کو قوی تر کر دیتے ہیں، اس لیے کہ مختلف موثرات مربوط اور مرتب ہو کر طبعاً اور زیادہ قوت حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کی مثالیں بھی بکثرت ملتی ہیں اور روزمرہ ان کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے مثلاً ریشم کے باریک ڈورے بہت کمزور ہوتے ہیں، لیکن اگر بہت سے تاگوں کو باہم مربوط کر دیا جائے تو ان کی رسی بہت مضبوط ہو جاتی ہے اسی طرح سینما دیکھنے والوں کے ذہن و دماغ پر اس کی مسلسل و مربوط تصاویر کا بہت گہرا نقش قایم ہو جاتا ہے۔ پھر چونکہ ان واقعات کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے یہ اور گہرا ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ اس کو مٹانا بھی چاہے تو بسا اوقات نہیں مٹا سکتا ——— لیکن پردۂ سیمیں پر جو کچھ نظر آتا ہے وہ واقعات کے ساتھ کتنی ہی مطابقت کیوں نہ رکھے پھر بھی وہ واقعہ تو نہیں ہو سکتا۔ اس میں جذبات و تخیلات اور آرزوؤں کی آمیزش ضروری ہے جس کے بغیر اس میں جاذبیت پیدا ہونا محال ہے۔ ورنہ کم از کم یہ تو تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ وہ ہر شخص کی زندگی کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ لیکن تمثیل اپنی جاذبیت کی وجہ سے ہر شخص کو اس طرف دعوت دیتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنانے کی کوشش کرے۔ پھر حالات سے خواہش کی یہ نامطابقت انسان کو عجیب کشمکش میں مبتلا کر دیتی ہے، اور اس کی زندگی تخیلات و واقعات کا ایک عجیب غیر مربوط مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے۔ پھر بسا ایسا ہوتا ہے کہ اس سعی لاحاصل اور اس مسلسل کشمکش کی وجہ سے وہ خود بھی ہمیشہ تکلیف میں مبتلا رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے لایعنی رویہ کی وجہ

تکلیف دینا رہتا ہے۔

پھر ان نفسیاتی اثرات کے علاوہ سینما کے جسمانی اثرات بھی کچھ کم خوفناک نہیں ہوتے۔ متحرک تصاویر کے اثرات آنکھوں اور اس کے متعلقہ اعصاب نیز دماغ کے عصبی مراکز، اور اس کے واسطہ سے کل نظام عصبی کے لیے بہت نقصان رساں ہوتے ہیں، روح عصبی اور اعصاب کے ... ولطیف ... ریشے اس شدید بار کو برداشت نہیں کر سکتے اور بالآخر مضمحل ہو جاتے ہیں خصوصاً وہ اشخاص جو طبعاً ضعیف الاعصاب ہوں اس سے اور بھی زیادہ نقصان اٹھاتے ہیں، اور ضعف اعصاب سے پیدا ہونے والے عوارض کا شکار ہو جاتے ہیں، بالخصوص "صنف نازک" کو اپنے قویٰ کی نزاکت وکم طاقتی کی وجہ سے اس مضرت میں زیادہ حصہ ملتا ہے، ہمارے طبقۂ اناث میں مرض اختناق الرحم کی فی زمانا کثرت اور سینما کی ... کے ساتھ ساتھ اس کا وبائی صورت اختیار کر لینا ہمارے اس دعوے کا بیّن ثبوت ہے۔

سینما بینی کیلیے بعض حضرات ایک عذر لنگ یہ تراشا کرتے ہیں کہ اس سے بعض اخلاقی نصائح حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت یہ عذر محض ایک حیلہ اور بہانہ ہے اور اس کو استعمال کرنے والے یا تو نفسیات سے بالکل بے بہرہ ہیں یا دیدہ و دانستہ وہ اس کے اصول سے خود چشم پوشی کرتے اور دوسروں کو فریب دینا چاہتے ہیں۔

انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ وہ اپنے مقصود و مطلوب کے لحاظ سے اشیاء سے متاثر ہوتا ہے یعنی کسی شے پر نظر کرنے سے اس کا جو مقصود ہوتا ہے اسی نوعیت کا اس سے انسان پر اثر پڑتا ہے مثلاً اگر کسی جنازے کو ہم اس تصور سے دیکھتے ہیں کہ اس سے عبرت و بصیرت حاصل کریں تو بیشک ہم پر اس کے دیکھنے سے یہی اثر ہوگا لیکن اگر جنازے کی سفید براق چادر مجمع کی خموشی اور کثرت، وقت و موسم کے ساتھ اس منظر کی مناسبت، کندھا دینے والوں کی سنجیدگی اور ادب کے ساتھ کندھا بدلنا، کافور کی بھینی بھینی خوشبو سے فضا کا معطر، ان سب چیزوں کے مجموعہ سے جو ایک حسین کیفیت پیدا ہوتی ہے اس سے لذت حاصل کرنا ہمارا مقصود ہو تو عبرت و بصیرت کے بجائے لطف و سرور کے جذبات ہمارے دل میں پیدا ہوں گے۔ اسی قاعدہ سے ہمکو سینما کے متعلق فیصلہ کرنا چاہیے، کون نہیں جانتا کہ سینما دیکھنے والوں کا مقصد اس سے عموماً لذت حاصل کرنا ہی ہوتا ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ تصویر کا مقصد اس کے سوا

کچھ ہو ہی نہیں سکتا، اس لیے اس سے عبرت و نصیحت حاصل ہونا ناممکن ہی۔ اور اگر بالفرض ہزار میں ایک آدھ شخص نے اس سے کوئی اچھا اثر لے بھی لیا تو حکمت کے اصول پر اس سے اُس کی عمومی قباحت و شناعت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قوانین عام حالات کے لحاظ سے ہی بنائے جاتے ہیں نہ کہ فرضی یا یا استثنائی صورتوں کا لحاظ کر کے۔ اور ان فرضی یا استثنائی مثالوں کا سہارا لے کر "حکم" و "قانون" کی خلاف ورزی کرنا نہ شرعاً درست ہو سکتا ہی نہ عقلاً اور نہ اخلاقاً۔

علاوہ بریں انسان طبعاً لذت کا طالب ہی۔ جب اس کے سامنے لذیذ و غیر لذیذ کا مجموعہ پیش کیا جاتا ہی تو وہ (بشرطیکہ کوئی خاص مانع نہ ہو) اس میں سے لذیذ کو اخذ کر لیتا ہی اور اس سے متاثر ہوتا ہی اور غیر لذیذ کو ترک کر دیتا ہی۔ یہ تجزیہ حتی الامکان وہ خارج ہی میں کر لیتا ہی لیکن اگر خارج میں کسی مانع کی وجہ سے اس کا امکان نہ ہو تو پھر یہ عمل وہ ذہن میں انجام دیتا ہی۔ پھر یہ بھی مسلّم ہی کہ انسان حسی لذت کو وہمی لذت پر، اور وہمی لذت کو عقلی لذت پر طبعاً (نہ کہ فطرۃً) ترجیح دیتا ہی تو سینما میں اگر کوئی عبرت و نصیحت ہوتی بھی ہو تو یا تو وہ سینما بین طبقہ کیلیے سرے سے "لذیذ" ہی نہیں ہوتی اور یا اس کی لذت وہمی یا عقلی ہوتی ہی (کیونکہ عام طور پر اخلاقی نصائح حسی لذت سے خالی ہوتے ہیں) اور اُس کے ساتھ حسی لذائذ کی آمیزش بلکہ کثرت ہوتی ہی، تو ظاہر ہی کہ ان حسی لذائذ کے مقابلہ میں انسان ان وہمی یا عقلی لذائذ کی کیا پروا کر سکتا ہی وہ تو فوراً یا کچھ دیر کے بعد اس مجموعہ کا تجزیہ کر کے ان میں سے حسی لذائذ ہی کو اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہی یعنی انہی سے متاثر ہوتا ہی اور انہی کو حاصلِ تماشہ سمجھتا ہی اور عقلی یا وہمی لذائذ سے وہ کوئی سروکار نہیں رکھتا اور اس کے اس عمل سے کوئی مانع بھی نہیں ہوتا۔ ان حقائق کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہی کہ سینما سے انسان کے اخلاق و عادات پر کوئی اچھا اثر پڑ سکتا ہی۔ اس صنعت کو اب تو کافی عرصہ ہو چکا ہی لیکن ایک مثال بھی غالباً اس کی نہیں پیش کی جا سکتی کہ کسی شخص کے اخلاق و عادات میں سینما دیکھنے سے کوئی خوبی پیدا ہوئی ہو، بلکہ اس کے بالکل برخلاف اس ناپاک صنعت نے دنیا کے اخلاق و عادات کو جس قدر برباد کیا ہی اس کا اندازہ کرنے کیلیے کسی ثبوت کی حاجت نہیں بلکہ صرف نظرِ انصاف اور میزانِ عدل کی ضرورت ہی۔ فحش کاری اور بے حیائی کو اُس نے اس قدر عام کر دیا ہی کہ اب اس کا عیب ہونا بھی لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ غیرت و حمیت ختم ہو گئی اور اسی کی بدولت بے غیرتی کا یہ عالم ہی کہ باپ بیٹی،

اور بھائی بہن ساتھ ساتھ سینما گھروں میں بیٹھ کر بے حیائی کے ناپاک اور گندے مناظر دیکھتے ہیں اور دونوں میں سے کسی کو شرم و غیرت نہیں آتی شریفوں کی شرافت اور نجیبوں کی نجابت سینما گھروں ہی کے قبرستانوں میں دفن ہو چکی ہے، بڑے شریف و نجیب گھرانوں کی لڑکیاں آج اسٹیج پر حیا سوز رقص دکھانا اپنا قابل فخر کارنامہ سمجھتی ہیں، ان اثرات کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی اگر کوئی شخص سینما کی حمایت کرتا ہے اور اس کو جائز قرار دیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی اخلاقی حس قطعاً باطل ہو چکی ہے۔ وہ فواحش کو غالباً فواحش ہی نہیں سمجھتا اور ان کی اشاعت کا خواہشمند ہے، وہ حیوانی ماحول چاہتا ہے اور خود ـــــــ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل۔ کا مصداق ہے۔

غیر ذی روح اشیا کی تصاویر کا اثر یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا تمامتر ذی روح اشیا کی تصاویر سے متعلق تھا لیکن غیر ذی روح اشیاء کا حال اپنے اثرات کے لحاظ سے اس سے بالکل مختلف ہے، ان کے دیکھنے اور بنانے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ بہت لطیف اور ہلکی قسم کی ہوتی ہے جس سے آدمی مغلوب نہیں ہوتا، اور اسی واسطے وہ کبھی اس کی کوشش نہیں کرتا کہ وہ اس سے مشابہت و مماثلت پیدا کرے دُنیا میں کون ذی ہوش ہے جو دریا، پہاڑ، درخت یا آسمان و زمین بنا چاہتا ہو، غرض یہاں در اصل کوئی ایسی شے ہوتی ہی نہیں ہے جو انسان کے اخلاق و عادات پر کوئی برا اثر ڈال سکے، اسی لئے یہی تصاویر خواہ اپنی اصل کے ساتھ وہ کیسی ہی مکمل مشابہت و مطابقت کیوں نہ رکھتی ہوں انسانی اخلاق کی لئے وہ کبھی مضرت رساں نہیں ہو سکتیں، اور نہ کسی بے حیائی اور بدکرداری کی اشاعت کا وہ سبب بن سکتی ہیں۔ ان سے صرف چند اقسام کی لذتیں ہی حاصل کی جا سکتی ہیں جو سب کی سب بے ضرر ہیں، نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ غیر ذی روح اشیاء پر ذی روح اشیاء کو ایک بین اور بدیہی فضیلت و فوقیت حاصل ہے، اس لیے اس قسم کی تصاویر کی عظمت کبھی ناظر کے ذہن میں نہیں قائم ہو سکتی لہذا ان سے شخصیت پرستی اور کورانہ تقلید کے جذبات پیدا ہونے کا بھی احتمال نہیں ہے، نیز یہ مناظر خواہ کتنے ہی حسین کیوں نہ ہوں انسان کی طبیعت پر اس قدر گہرا اثر نہیں ڈال سکتے ہیں جو اس کی اولاد تک کو متاثر کر سکے۔ یا جو اس کے اخلاق و عادات میں کوئی نمایاں تغیر پیدا کر دے علی ہذا یہ بھی ظاہر ہے کہ صنفی جذبات کی تحریک کا کوئی مواد ان میں نہیں موجود ہوتا ہے۔

بلکہ ان نقائص سے پاک ہونے کی وجہ سے ان تصاویر کا بہت اچھا اثر انسان پر پڑتا ہے۔ ان کے ذریعہ سے اس کا ذوق زندہ رہتا اور ترقی کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی یہ نعمت برباد نہیں ہونے پاتی، پھر بے جان اشیا میں کثرت سے وہ اشیا ہیں جن کا حسن محض مشاطہ قدرت ہی کی دستکاری کا رہین منت ہے اس لیے انسان ان میں اور ان کی تصاویر میں قدرت الٰہی کے جلوے ہی دیکھتا ہے اور رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ پکار اٹھتا ہے، نیز ان اشیا کے فطری حسن و جمال کے مشاہدے اور اس سے استلذاذ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کے ذوق جمال میں فطریت پیدا ہو جاتی ہے جو انسانی ذوق کا اعلیٰ ترین درجۂ ارتقا ہے، پھر اس فطریتِ ذوق کا اثر اس کے دوسرے قویٰ پر بھی پڑتا ہے اور اس کی فطرت کو سلامتی و استقامت کی جانب لے جاتا ہے۔ پھر ان بے جان اشیا میں وہ چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں جو انسانی صنعت و اختراع کی رہین منت ہوتی ہیں، مثلاً مشینیں، عمارات وغیرہ اور ظاہر ہے کہ ان جیسی چیزوں میں جدت و اختراع کا میدان بہت وسیع ہوتا ہے کیونکہ انسان کا ذہن نئے نئے نقشے ایجاد کر سکتا ہے، اس واسطے ان اشیا کی تصاویر ان کے حسن و قبح کو نمایاں کر کے اس جدت طرازی میں معاون ہوتی ہیں، اس طرح سے ان تصاویر کے ذریعہ صرف تسکین ذوق ہی نہیں ہوتی بلکہ انسان کی قوت عملی میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور اس میں ایجاد و اختراع کا ملکہ پیدا ہوتا اور ترقی کرتا ہے، بخلاف جاندار اشیاء کی تصاویر کے کہ ان سے یہ فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا، کیونکہ ان میں جدت، اور صنعت و اختراع کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ بنابریں ان کا اثر انسان کی قوت عملی پر اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے، یعنی وہ قوت عملی کو کمزور کر دیتی ہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ اس کو ذوق تک محدود کر دیتی ہیں یعنی ناظر و مصوّر دونوں کا ذوق تو اُن سے ہیجان میں آ جاتا ہے مگر تسکین نہیں پاتا، اس لیے اُس کی پوری جد و جہد یہی ہوتی ہے کہ ہر شے سے حقی یا عملی فائدہ حاصل کرنے کے بجائے بس ذوقی لذت حاصل کرے، اور اگر اس کی طبیعت ایجاد کی طرف مائل بھی ہوتی ہے تو وہ ایسی اختراعات کرتا ہے جو اس کے ذوق تشنہ کی پیاس بجھا سکیں۔ اس لیے کہ دوسری قسم کی جدت طرازیوں سے وہ مایوس ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ فواحش اور بے حیائیوں میں لازماً مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور انہی میں اپنی قوت ایجاد و اختراع کے جوہر دکھاتا ہے اور تصویر میں اس کی جدت طرازیاں محض اسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ ذی روح اور غیر ذی روح اشیا کی تصاویر میں اثرات کے اعتبار سے زمین آسمان کا فرق ہے ایک کا جمال انسان کی طبیعت پر جا اثر کرتا ہے دوسرے کا جمال اس سے بالکل مختلف اثر رکھتا ہے۔ اس لیے عقلاً دونوں کے احکام میں بھی فرق ہونا چاہیے۔

دوسرا سوال دوسرا سوال یہ تھا کہ اظہار لذت جمال اور مشاہدہ لذت جمال کی خواہشوں کو آزاد ہونا چاہیے یا پابند؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کے بھی دو حصے ہیں۔ پہلا اول الذکر (اظہار لذتِ جمال) سے متعلق ہے اور دوسرا ثانی الذکر (یعنی مشاہدۂ لذت جمال) سے پہلے حصے کے متعلق بحث کرنے کیلیے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ انسان لذت کا اظہار کیوں کرتا ہے یا کیوں کرنا چاہتا ہے۔

اظہار لذت کا سبب اظہار لذت سے انسان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ لذت کو مکرر حاصل کرے، آدمی کا نفس شاعر (CONCIOUS MIND) جو لذتیں حاصل کرتا ہے اس کا نفس غیر شاعر (NU CONCIOUS MIND) ان کو محفوظ رکھتا ہے، لیکن خود ان کا ادراک نہیں کرسکتا، تو انسان اس لذت کا اظہار کرکے اس کو نفس غیر شاعر سے دوبارہ نفس شاعر میں لانا چاہتا اور اس سے دوبارہ لطف اندوز ہونا چاہتا ہے، مثلاً ہم ایک خوبصورت عمارت دیکھتے ہیں اور اس سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔ جب وہ عمارت ہماری نظروں سے غائب ہوجاتی ہے تو ہم پھر اسی لطف کو اٹھانا چاہتے ہیں اور مختلف طریقوں سے اس کے حسن، صفائی، خوبصورتی وغیرہ کا زبان یا قلم یا اور کسی ذریعہ سے تذکرہ کرتے ہیں تاکہ وہ لذت یا اس کا کچھ حصہ دوبارہ ہم کو حاصل ہوسکے،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اظہار لذت درحقیقت ایک نوع کی تحصیل لذت کا نام ہے۔ لہذا اگر تحصیل لذت اور تلذذ کے بارے میں انسان کو آزاد تسلیم کیا جائے تو اس بارے میں بھی اس کو آزادی دی جاسکتی ہے۔ اور برعکس صورت میں نتیجہ بھی برعکس ہوگا یعنی اس کی اس خواہش کو بھی پابند تو ضرور ماننا پڑے گا۔

دوسرا حصہ سطور بالا سے معلوم ہوا کہ سوال کے پہلے حصہ کا جواب بھی اس کے دوسرے حصہ کے جواب ہی پر موقوف ہے۔ یعنی پہلے ہم کو اس کا فیصلہ کرلینا چاہیے کہ مشاہدۂ لذت جمال یا بالفاظ دیگر استلذاذ نظر جمالیات کے بارے میں انسان کو آزاد ہونا چاہیے یا پابند، اس کے بعد ہی ہم یہ فیصلہ کرسکیں گے کہ اظہار لذت جمال

ہیں اس کو آزاد رہنا چاہیے یا کچھ حدود کا پابند۔

تحصیل لذت پر پابندیاں اب جب ہم اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کسی نوع کی لذت حاصل کرنے میں بھی آزاد نہیں چھوڑا گیا ہے، کوئی شخص بھی اس پر قادر نہیں ہے کہ کھانے کی لذت غیر محدود طور پر حاصل کرے، گرمیوں میں برف و شربت بیحد لذیذ شے ہے لیکن انسان کتنی مقدار میں یہ برف شربت پی سکتا ہے؟ بہترین کھانے لذیذ ترین پھل، اعلےٰ درجہ کے حسین و خوبصورت کپڑے روح پرور ہوائیں، جنت نشان چمن زار حوروش اور پری تمثال بیویاں یہ سب چیزیں یقیناً بڑی مرغوب اور بیحد لذیذ مگر کہاں ان سے انسان غیر محدود لطف اٹھا سکتا ہے۔ اگر وہ حد سے زیادہ کھاتا پیتا ہے تو اسکی صحت برباد ہو جاتی ہے، زیادہ لباس کا بوجھ اس کے جسم کیلیے ناقابل برداشت ہے، حد سے زیادہ تفریح قوت عمل کو مفلوج کرنے والی اور اپنی لذت کو کھو دینے والی ہے۔ علیٰ ہذا حد سے زیادہ صنفی تمتع صحت و زندگی کیلیے سم قاتل ہے۔ پس ان مشاہدات کو پیش نظر رکھنے کے بعد کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ انسان لذت حاصل کرنے کے بارے میں آزاد ہے۔

ازدیاد لذت الم کا سبب ہے غالب دہلوی نے کہا ہے ع ”درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا“

خیر یہ تو ایک شاعرانہ نکتہ ہے، لیکن بعض صورتوں میں اس کے برعکس یہ کہنا ضرور صحیح ہے کہ دوا حد سے گزر کر درد بن جاتی ہے“ طبعی اور جسمانی لذتوں کے بارے میں تو یہ قول بالکل صادق ہے یعنی طبعی و جسمانی لذت جب ایک مقررہ حد سے گزر جاتی ہے تو وہ لذت کے بجائے موجب الم بن جاتی ہے، ممکن ہے کہ یہ بات بہت سوں کو سطحی نظر میں عجیب اور نئی معلوم ہو، لیکن غور کرنے سے انشاء اللہ اُن کا یہ تعجب رفع ہو جائے گا اور اس کی صداقت واضح ہو جائے گی۔

غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ انسان کی ساری لذتیں محدود ہیں، اس لیے وہ ہر لذت کو طبعاً محدود ہی رکھنا چاہتا ہے یعنی اس کی طبیعت اس کی مقتضی ہوتی ہے کہ اس کو اتنی ہی لذت حاصل ہو جس قدر اس کی قوت ہے اور جس مقدار میں اس کی قوت اس کو برداشت کر سکے۔ مثلاً انسان بالطبع ظلمت کے بجائے نور کو پسند کرتا ہے لیکن باینہمہ وہ آفتاب کی طرف دیکھنا کبھی نہیں گوارہ کرتا، جو دنیا میں نور کا مرکز اور اس کی اس لذت کا سرچشمہ ہے، اس لیے کہ اس لذت کا ادراک اس کی قوت سے زیادہ ہے اس بنا پر یہ لذت بجائے لذت کے الم بن جاتی ہے

لذت کے اس انقلاب کی دوسری وجہ یہ ہوتی ہو کہ ہر جسمانی[1] لذت انسان کی اس قوت کو جو اس کا ادراک کرتی ہے تحلیل کرتی ہی، پھر لذت کی کمی بیشی کے ساتھ ساتھ اس کے اس تخریبی و تحلیلی عمل میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہی یعنی یہ لذت، کیفیت یا مقدار کے لحاظ سے جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر انسان کی یہ قوت زیادہ فنا ہوگی، چنانچہ جب لذت بہت زیادہ (کیفیت یا مقدار کے لحاظ سے) بڑھ جاتی ہی تو قوت بھی بہت زیادہ فنا ہوتی ہی، اور اس کا احساس بھی انسان کو ہوتا ہی جس سے وہ تکلیف اُٹھاتا ہی، مگر خفیف لذت کی صورت میں انسان اس فنار قوت کا احساس نہیں کرتا اس لیے الم سے بھی محفوظ رہتا ہی۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات بکثرت مشاہدے میں آئے ہیں کہ ناقابل برداشت لذت کی وجہ سے لوگوں کی جان تک نکل جاتی ہی۔

اس واقعہ کی توجیہ ایک اور صورت سے بھی ممکن ہی۔ دواؤں کی تاثیرات کے متعلق علم الکیمیا کی تحقیق پایہ ثبوت کو پہونچ چکی ہی کہ دواؤں کی قلیل مقدار سے جو اثرات ظاہر ہوتے ہیں کثیر مقدار سے ان کے بالکل برعکس اور متضاد اثرات ظہور پذیر ہوتے ہیں، مثلاً سنکھیا کی قلیل مقدار مقوی اعصاب ہی لیکن کثیر مقدار مرخی اعصاب اور اسی لیے وہ فالج کا سبب بن سکتی ہی، پس ہماری زیر بحث لذت بھی بعض حثیات سے ادویہ کے مماثل ہی، اس لیے کہ اس سے بھی ایسے ہی اثرات ظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ ادویہ سے۔ مثلاً اس سے تفریح ہوتی ہی، دوران خون تیز ہو جاتا ہی، اعصاب میں ایک طرح کی حسی محسوس ہونے لگتی ہی، جسم میں قوت کا احساس زیادہ ہو جاتا ہی وغیرہ وغیرہ، اس لیے اس کی زیادتی اور افراط سے بھی وہی اثرات ظاہر ہوں گے جو دواؤں کی مفرط مقداروں سے حاصل ہوتے ہیں، مثلاً بجائے تفریح کے انقباض، دوران خون کی تیزی کے بجائے اس کی سستی، اعصاب میں استرخا کی کیفیت، اور جسم میں ضعف کا احساس وغیرہ وغیرہ اور ظاہر ہی کہ یہ سب امور موجب الم ہیں، اس افراط لذت سے الم و اذیت کا پیدا ہونا ایک واقعہ ہی جو روزمرہ مشاہدہ میں آسکتا ہی

---

[1] جسمانی لذت سے مراد ہر وہ لذت ہو جس کا اثر جسم پر پڑتا ہو خواہ حواس ظاہرہ کے ذریعہ سے اس کا حصول ہو یا نہو مثلاً کسی دوست کے تصور سے جو لذت حاصل ہوتی ہی وہ بھی اس لحاظ سے جسمانی ہی لذت ہی۔ ۱۲

افراط لذت سے علی سبیل البدلیت دو قسم کے اثر مرتب ہوتے ہیں۔ کبھی تو اس کی وجہ سے طبیعت اس لذیذ شے سے سیر ہو جاتی ہے اور پھر اس کی خواہش ہی انسان میں سے مفقود ہو جاتی ہے بلکہ انسان کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے (یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ خواہش ہی درحقیقت لذت کا حقیقی سرچشمہ ہے) پس ایسی صورت میں خلاف خواہش ہونے کی وجہ سے انسان اس سے لذت کے بجائے اذیت اٹھاتا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ عطر کے کارخانوں میں کام کرنے والے خوشبو کے لطف سے محروم ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، لیکن اس کے برخلاف بسا اوقات افراطِ لذت سے انسان کی خواہش حدود سے تجاوز کر کے ہوس کے درجہ پر بھی پہونچ جاتی ہے، اور اس ہوس کی تسکین پھر محال ہو جاتی ہے اس لیے انسان زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرنے کے باوجود "ھل من مزید" کا نعرہ لگاتا رہتا ہے ایسی حالت میں وہ ہمیشہ کلفت و مصیبت ہی میں مبتلا رہتا ہے اور ہمیشہ کیلیے قلب کا سکون و اطمینان کھو بیٹھتا ہے، اور نہ صرف اس لذت سے بلکہ بسا اوقات زندگی کے کل لذائذ سے آخرکار محروم ہو جاتا ہے، یہاں مثال میں دولت کے حریصوں کی کیفیت پیش کی جاسکتی ہے "لکشمی دیوی کے ان پجاریوں" کو آپ اکثر اسی ہستقا میں مبتلا پائینگے۔

اوپر کے سطور میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ تحصیل لذت کے بارے میں انسان آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا بلکہ اس کے اوپر عقلاً کچھ پابندیاں عائد ہونا لازمی ہیں، اور چونکہ اظہارِ لذت جمال بھی تجدید لذت ہی کا نام ہے جو ایک نوع کی تحصیل ہے اس لیے اس کو بھی آزاد نہ ہونا چاہیے۔ لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ ان پابندیوں کی نوعیت کیا ہونا چاہیے؟ یعنی وہ قوانین کونسے ہیں جن کے ماتحت انسانی طبیعت و فطرت کے ان دونوں مطالبوں کو انجام پانا چاہیے؟

یہ چیز بھی اوپر ہی کے سطور سے واضح ہو گئی ہوگی کہ ہر لذت کے مدارج ثلثہ افراط[1] تفریط[2] اور توسط[3] میں صرف درجہ توسط ہی جائز اور مستحسن کہا جاسکتا ہے۔ مگر ہر لذت کیلیے یہ درجات جداگانہ نوعیت رکھتے ہیں، یعنی کسی لذت میں درجہ توسط کوئی ہوگا اور کسی میں کوئی، اور اس لیے ہر نوع کے لذائذ کیلیے ایک ہی کلیہ قایم کرنا دشوار ہے ــــ یہاں ہمکو چونکہ صرف تصویر کے متعلق

بحث کرنا ہے اس لیے اسی کے متعلق حدود کی کچھ توضیح کرتے ہیں۔ اور سہولت فہم کیلیے یہ مناسب ہے کہ ہم پہلے تصویر ہی کی تقسیم کرلیں یعنی جاندار اشیا کی تصاویر، اور بیجان اشیا کی تصاویر پر الگ الگ بحث کریں۔

تصویر کی پہلی قسم جاندار اشیاء کی تصاویر

تصویر کی پہلی قسم (یعنی جاندار اشیاء کی تصاویر) سے جو لذت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کیونکہ وہ بوجہ ناقص ہونے کے ہیجان آمیز ہوتی ہے اس لیے ناقص جذبات وخیالات میں وہ ایک زبردست ہیجان اور اعصاب میں ایک طوفانی تموج تو پیدا کر دیتی ہے لیکن اس طوفان کے سکون کا سامان نہیں بہم پہنچا سکتی جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس ناقص و ناتمام لذت کے حصول سے اور اس کی بے مقصد ہیجان خیزی کی وجہ سے اعصاب میں ضعف، خیالات میں پراگندگی، قوت میں کمزوری، ذہن میں انتشار اور جذبات میں سرعتِ اشتعال کے امراض نفسانی وجسمانی کا پیدا ہو جانا لازمی ہے تجربہ بھی اس واقعہ کی شہادت دیتا ہے۔ ہمارے نوجوانوں میں تصویر کی کثرت اشاعت کے بعد سے جو ذہنی، نفسانی، اخلاقی وعصبی کمزوریاں پیدا ہوگئی ہیں۔ ان کا عشر عشیر بھی ہمارے بوڑھوں میں (باوجود پیرانہ سالی) نہیں نظر آتا ہے، ان تصاویر سے تمناؤں اور خواہشوں کا ایک سیلاب اُمنڈ تو پڑتا ہے لیکن ان کی کامیابی کی پھر کوئی صورت نہیں نکل سکتی اس لیے اس ناکامی سے انسان کو بس تکلیف واذیت ہی پہنچتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس قسم کی تصویروں سے لذت حاصل کرنا یا اظہار لذت کی صورت میں اس لذت کی تجدید کرنا تحصیل لذت کا مرتبۂ افراط ہے، جو انسان کے قوائے ذہنی ودماغی پر مضر وتباہ کن اثر ڈالتا ہے نیز اس قسم کی تصویروں سے زیادہ دلچسپی، یا تو انسان کی اس خواہشِ مشاہدۂ جمال کو حرص وہوس کے درجہ پر پہونچا دیتی ہے جس سے انسان عمر بھر ناکامی ونامرادی کی تکلیف ہی تکلیف اٹھاتا رہتا ہے، اور یا اس میں سے اس احساس ہی کو مفقود کر دیتی ہے جو انسان کیلیے ایک بہت بڑا نقصان اور اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت کا کفران ہے۔

لیکن بے جان اشیاء کی تصاویر سے یہ اثرات مرتب نہیں ہوتے اس لیے کہ گو اس کی لذت بھی بالجملہ ناقص ہوتی ہے مگر اولاً تو ہیجان انگیز نہیں ہوتی، ثانیاً اس لیے کہ اس سے کامل لذت حاصل کرنا بھی ممکن ہوتا ہے۔ مثلاً ایک درخت کی تصویر دیکھ کر ہمارے دل میں زیادہ سے زیادہ

جو تسکین پیدا ہوسکتی ہے وہ یہ ہی ہے کہ ہم اسے دیکھیں، اور یہ عموماً بہ آسانی ممکن ہوتا ہے، حالانکہ یہ تمنا بھی عموماً نہیں ہوتی اس لیے کہ بے جان اشیاء کی تصاویر میں عموماً جو جمال ہوتا ہے وہ خود ان اشیاء میں اتنا نہیں ہوتا، نیز بے جان اشیا کے ساتھ ہماری خواہشوں کی بہت کم تعداد متعلق ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بے جان اشیا کی تصاویر کو بھی ممنوع قرار دے دینا اس التذاذ کا مرتبہ تفریط ہے جس سے خداداد فطری ذوق کے مردہ ہوجانے کا اندیشہ ہے،

بہرحال عقل وحکمت کا اقتضا ہے کہ ذی روح اشیاء کی تصاویر سے تو انسان کو بالکل روک ہی دیا جائے۔ یعنی ان کا بنانا قطعاً ممنوع ہو تاکہ اس کے مہلک اثرات سے انسان محفوظ رہے۔ لیکن غیر ذی روح اشیا کی تصاویر کا بنانا اس کے لیے جائز ہونا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ذوق کی نعمت بیکار وضائع نہ ہو نیز جو دوسرے فوائد اس سے انسان اٹھا سکتا ہے ان سے بھی محروم نہ رہے۔ یہی مرتبہ توسط اور مفید و بے خطر راستہ ہے۔

اب دیکھیے کہ شریعت اسلامیہ نے انسان کو بعینہٖ یہی حکیمانہ تعلیم دی ہے۔ یعنی اس نے ذی روح اشیاء کی تصاویر کو تو ممنوع اور حرام قرار دیدیا اور غیر ذی روح اشیا کی تصاویر کو جائز اور مباح کردیا اور انسانوں کو موقع دیا کہ وہ اس کے فوائد اور منافع سے متمتع ہوں تصویر کے بارہ میں ذی روح اور غیر ذی روح اشیا کا یہی وہ فرق ہے جو ذیل کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے:۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی جبرئیل (علیہ السلام) قال اتیتک البارحۃ فلم یمنعنی ان اکون دخلت الا انہ کان علی الباب تماثیل وکان فی البیت قرام ستر فیہ تماثیل وکان فی البیت کلب فمر براس التمثال الذی علی باب البیت فیقطع فیصیر کھیئۃ الشجرۃ ومر بالستر فلیقطع فلیجعل

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ میں آپ کے پاس کل شب بھی آیا تھا لیکن تین باتوں کی وجہ سے گھر میں داخل نہیں ہوسکا (ایک تو یہ کہ) دروازے پر تصویریں تھیں (دوسرے) مکان کے اندر جو پردہ تھا اس میں بھی تصویریں تھیں اور تیسرے) گھر میں ایک کتا بھی تھا (تو آپ یہ کیجیے) کہ جو تصویر گھر کے دروازے پر

وسادتین منبوذ تین توطان ومُر بالکلب فلیخرج ففعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی ابوداؤد)

ہے اس کا سر کٹوا دیجیے تاکہ اسکی شکل درخت کی سی ہو جائے (جاندار کی نہ رہے) اور گھر کے اندر جو پردہ ہے اس کے ٹکڑے کروا کر اس کے گدے بنوا لیجیے جو زمین پر رہیں اور پیروں کے نیچے آئیں۔ اور کتے کو نکلوا دیجیے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔

اس حدیث سے جاندار اشیاء کی تصویر کی حرمت نیز جاندار اور بیجان اشیا کی تصاویر کا فرق دونوں باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اب یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ جاندار اشیا کی تصویر بنانے والے کیلیے کس قدر سخت وعید ہے۔

عن عائشۃؓ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اشد الناس عذابا یوم القیمۃ الذین یضاھون بخلق اللہ۔ (مشکوٰۃ)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالےٰ کی (صفت) خلق سے مماثلت پیدا کرنا چاہتے ہیں (یا مخلوق الہٰی کے مماثل چیز بنانا چاہتے ہیں)

واضح رہے کہ تصویر کی قباحت وشناعت اور ذی روح وغیر ذی روح کے متعلق جو بحث اوپر کی گئی ہے اس کی حیثیت بس حکم شرعی کی حکمت کی ہے ورنہ مومن کیلیے اصل چیز تو اللہ ورسول کا حکم ہی ہے۔

(بسلسلہ صفحہ ۸۰) بہرحال کتاب ایک پاک مقصد رکھتی ہے اور اپنے اس تالیفی مقصد میں ہمارے نزدیک پوری طرح کامیاب ہے، آخر میں مولانا کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے اُن سے اور انکے تمام اُن ہمصغیروں سے جو مدارس اسلامیہ میں صالح انقلاب پیدا کرنے کے خواہشمند ہیں یہ عرض کرنا ہے کہ آپ حضرات جمود اور عقلی تحجر کی تاریخ سے واقف ہیں، جمود کی کرشانی فنتا نہیں ٹوٹ جایا کرتیں، مگر ہاں اندر اندر آگ سلگ رہی ہے اور بہت سے بیماروں کو بیماری کا پوری طرح احساس ہے، نیز اصلاح کا ابتدائی عمل بھی شروع ہو چکا ہے

غمگین نہ ہو کہ بہت دور ہیں ابھی باقی
نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہر کبود

اور مدارس عربیہ کے ارباب حل وعقد سے صرف اتنی بات کہ

انجام خرد ہے بے حضوری ہے فلسفہ زندگی کی دوری
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت ہیں ذوق عمل کیواسطے موت

دل در سخن محمدی بند
ای پور علی ز بو علی چند؟

"مختارات" پڑھکر

(از جناب مولانا ابو سعید خلیل احسن صاحب اعظمی ندوی مدرسہ مصباح العلوم بریلی)

[ہمارے محترم دوست مولانا سید ابو الحسن علی ندوی (مصنف "سیرت سید احمد شہید") کی کتاب "مختارات" عرصہ ہوا کہ ریویو کیلیے "دفتر الفرقان" میں پہونچ گئی تھی، لیکن اُس وقت سے اب تک "الفرقان" میں کتابوں پر ریویو کی نوبت ہی نہیں آئی ہے اس لیے ابھی تک یہ فرض ادا نہیں کیا جاسکا ــــ ہمارے فاضل دوست مولانا خلیل احسن صاحب نے "مختارات" پڑھکر اس کے متعلق اپنے تاثرات کو حوالۂ قلم کیا ہے اور اشاعت کیلیے الفرقان میں بھیجا ہے، چونکہ اس کتاب کے متعلق اس عاجز کی رائے بھی قریب قریب یہی ہے اس لیے مولانا ممدوح کے یہ تاثرات شایع کیے جارہے ہیں، ناظرین کرام اسی کو "الفرقان" کے ریویو کے قایم مقام سمجھ لیں*۔ مدیر]

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر　　تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ "علماء" کا مقصد آفرینش امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں، اور یہ وہ پیغمبرانہ فریضہ ہے جس کے لیے شوخ مذہبی رنگ، ابھرتا ہوا ذوق و شوق، بے داغ سیرت، اعلیٰ کیرکٹر، بلندیٔ ہمت، استغنا، خودداری، نزاہت نفس اور نزاہت فکر عناصر جوہریہ کی حیثیت رکھتے ہیں اس وقت دُنیا میں اصول و نظریات کی شدید جنگ ہورہی ہے، اور مستقبل قریب میں اس سے زیادہ سخت معرکہ میں اس "طائفہ" کو اُترنا اور اپنے اصول منوانا ہیں، اگر اس وقت ذرا سی بھی غفلت برتی گئی تو یقیناً تاریخ ہمیں ہزاروں میل دور پیچھے پھینک دے گی۔

تھی تھوڑی سی غفلت بھی طریق عشق میں　　آنکھ جھپکی قیس کی اور سامنے محمل نہ تھا

یہ بھی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ زبان و ادب کو کسی تمدن کی تعمیر و تشکیل میں بڑا مقام حاصل ہے، آپ دنیا کی لسانی تمدنی تاریخ پڑھ جائیے آپ پر یہ حقیقت اچھی طرح منکشف ہو جائیگی کہ صالح لٹریچر ہمیشہ صالح افراد کی تخلیق کرتا ہے، اور فا

---

*"مختارات" کا کاغذ و کتابت طباعت بھی نہایت اعلیٰ ہے تین روپے (عہ) میں مکتبہ الفرقان سے بھی مل سکتی ہے۔ ناظم مکتبہ الفرقان بریلی)

ادبی سرمایہ بہت تیزی کے ساتھ، مگر غیر محسوس طور پر، قوم کے افراد میں بے شمار اخلاقی معائب اور ذہنی تسفل پیدا کر کے اس کی اجتماعی زندگی کو درہم برہم کر کے رکھ دیتا ہے،

پھر کون نہیں جانتا کہ پختہ سیرت اور عمدہ کیرکٹر پیدا کرنے کا ایک بڑا اور اہم ذریعہ تعلیم ہے، اسی لیے تعلیم اور نصاب تعلیم کا مسئلہ زندہ قوموں کی نظر میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، ان کے اہل علم مفکرین برسوں کے طویل غور و فکر کے بعد ایسا نصاب تعلیم بناتے ہیں جو نئی نسل میں زندگی کی روح پھونکتا اور عمل کی قوت پیدا کرتا ہے، مگر بدقسمتی سے یہ مسئلہ دوسروں کے یہاں جتنا اہم ہے، ہمارے یہاں اتنا ہی غیر اہم اور ناقابل التفات بنا ہوا ہے، بہت سے دردمند علماء اور اصحاب رائے مدت سے چیخ رہے ہیں مگر ہنوز ان کی آواز صدا بصحرا اور اجنبی ہی ہے، لیکن میں اس حقیقت پر غیر متزلزل یقین رکھتا ہوں کہ یہ ہلکی آواز جسے آج کوئی نہیں سنتا، کل اس میں اتنی قوت پیدا ہو جائے گی کہ اس سے ہماری پوری علمی فضا گونجنے لگے گی، ٹیونس کے مشہور لیڈر "کوابی" کی یہ بات کبھی نہ بھولیے

"صیحۃ فی وادٍ لئن ذھبت بھا الریاح الیوم لتذھبن غداً بالاوتاد"

ہمارے مدارس کا نصاب تعلیم مجموعی طور پر ناقص ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ وہ ترمیم کا محتاج ہے یا تغییر کا؟ اس پر اس مختصر فرصت میں مجھے کلام کرنا نہیں ہے، ہاں اس کے خاص ادبی شعبے کے متعلق یہاں مجھے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ خصوصیت کے ساتھ وہ بیحد ناقص ہے، اور اس کی اصلاح کی طرف فوری توجہ کرنا از بس ضروری ہے جو لوگ "ادب برائے ادب" کا نظریہ رکھتے ہیں، ممکن ہے انھیں اس میں کوئی خامی نظر نہ آتی ہو، لیکن ہمارا نظریہ "لعب برائے اسلام" اور "ہر فن برائے اسلام" کا ہے، وہ ادب یا کوئی دوسرا فن جس کا بہاؤ اسلام کی طرف نہ ہو، ہماری ادنیٰ توجہ کا بھی مستحق نہیں۔

نفحۃ الیمن "مقامات حریری"

ہمارے سامنے ادب النثر کے سلسلہ میں سب سے پہلی کتاب نفحۃ الیمن آتی ہے، جاننے کی چیز ہے کہ یہ کتاب ایک انگریز پرنسپل کی سرپرستی میں لکھی گئی ہے، پھر اس کتاب کے مصنف خیر سے شیعی ہیں، نہیں کہا جا سکتا کہ محض اتفاق اور سوء انتخاب ہی کا نتیجہ ہے یا ان بزرگوار نے کسی خاص ادھگھرے مقصد کے پیش نظر اس میں ایسی حیا سوز کہانیاں درج کی ہیں جن کو پڑھ کر عباسی سلاطین کی زندگی کا نہایت مکروہ اور گھناؤنا نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے عباسی سلاطین چاہے کتنے ہی برے ہوں مگر واقعہ وہ اتنے برے پھر بھی نہیں جتنے کہ چند تاریخی علل و اسباب کی

بنا پر شیعوں کی نظر میں وہ بڑے ہیں، سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے کہ "یہ محشی بہ حاشیہ انیقہ" کتاب جسمیں جنسی وغیر جنسی میلانات کے عجیب عجیب قصے بیان کیے گئے ہیں کیا اس قابل ہے کہ اسکو "ادب اسلامی" میں شمار کیا جائے؟ اور وہ بھی نوعمری میں بچے کے ہاتھ میں دیا جائے۔ اسکے بعد ہمارے سامنے نثر کی دوسری کتاب "مقامات" آتی ہے، یہاں پر سب سے اہم اور قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ تعلیمی نقطہ نگاہ سے "نفحہ" کے بعد اسے پڑھانا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی مکتب کے درجہ دوم کے طالب علم کو دیوان غالب یا گلزار و بستاں پڑھنے والے طالب علم کو قصائد بدر چاچ پڑھانا، دوسری بات یہ ہے کہ بلاشبہ اس کتاب کے پڑھنے سے لغات غریبہ کا ایک بڑا خزانہ ہمارے ہاتھ آتا ہے مگر سوچنا چاہیے کہ ہمکا بہاؤ اسلامیت کی طرف ہے یا "جلب زر کے زریں اصولوں" کی طرف؟ فیصلہ اہل نظر کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اس نفع قلیل کے بدلے اس اخلاقی ضرر کثیر کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟ آخر افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پاک سرچشمہ ادب جس سے بلاغت کی نہریں پھوٹتی ہیں اور جسکے خوشہ چیں صاحب مقامات و امت کے تمام ادباء ہیں کیا چھوڑ دیا گیا؟ کیا خلفاء راشدین اور دوسرے ارباب بلاغت کے خطبے و تحریریں ہمارے پاس نہیں ہیں؟ اگر ان سے ادب کا انتخاب کیا جائے تو ہماری عربیت میں کونسا نقص پیدا ہوگا؟

بلاشبہ ہمارے یہ مدارس عربیہ اسلامی تہذیب کے مضبوط قلعے ہیں، ان ہی کے ساتھ ہماری ثقافتی زندگی وابستہ ہے، صالح افراد پیدا کرنے کی ساری ذمہ داری انہیں پر عائد ہوتی ہے، اگر ان مدارس نے اپنی اس بھاری ذمہ داری کو محسوس نہ کیا تو آئندہ ہمارا تمدنی و ثقافتی مستقبل حد درجہ تاریک ہو جائیگا۔ آج سے چند سال پہلے حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نے "نفحۃ العرب" لکھکر اس سلسلہ کی ایک ضرورت کو پورا کیا تھا۔ اب دوسری کتاب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی "مختارات" سامنے آئی ہے واقعہ یہ ہے کہ جس طرح "نفحۃ العرب" "نفحۃ الیمن" کیلیے بدل صالح تھی اسی طرح "نفحۃ العرب" کے بعد طلبہ کیلیے "مختارات" عربی ادب نثر کی ایک بہترین کتاب ہے مولانا علی علماء اور طلبہ دونوں کے شکریہ کے مستحق ہیں انہوں نے یہ کتاب لکھکر اس تعلیمی ضرورت کو پورا کر دیا ہے، بلاشبہ یہ کتاب ان تمام نقائص سے بالکل پاک ہے جو ہماری مروجہ نثر کی کتابوں میں عموماً پائی جاتی ہیں اسمیں عہد رسالت سے آجتک کے تقریباً ہر دور کے ادب عربی کے نمونے پیش کیے گئے ہیں، تاریخ ادب کے طلبہ جانتے ہیں کہ جاہلی نثر میں تفکک جمل اور بے ربطی سی پائی جاتی ہے، اس لیے اس کو قصداً نظر انداز کرکے "اعجازی نثر" سے ابتدا کی گئی ہے، اس کتاب کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ کسی زمانہ کا کوئی ایسا ادیب اس سے نہیں رہ گیا جو کسی جدید اسلوب کا موجد ہوا ہو، کتاب کو غور سے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع اپنے مختارات کے ذریعہ طلبہ کو ایک خاص مقصد کیلیے تیار کرنا چاہتے ہیں، اور یہ مقصد وہی ہے جو ہر مسلمان بالخصوص علماء دین کا مقصد حیات ہے یعنی دعوت دین اور خدمت اسلام، اس دعوت و خدمت کیلیے جس بصیرت، ذوق عمل، سوز و درد، حسن نیت اور سرفروشی کی ضرورت ہے مولانا علی یہی اوصاف ہم میں پیدا کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ کتاب کے ابتدائی عنوانوں ہی سے پتہ چلتا ہے

(بقیہ دیکھو صفحہ …)

مسئلہ علم غیب فیصلہ کن مناظرہ

یہ سلانوالی (پنجاب) کے اس معرکۃ الآرا مناظرہ کی مکمل روئداد ہے جو مسئلہ علم غیب پر ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ ہجری میں ہوا تھا اس موضوع پر اتنا مکمل مناظرہ نہ اس سے پہلے کہیں ہوا اور نہ غالباً آئندہ ہو۔ اس مناظرہ نے فی الحقیقت اس بحث کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا اہل بدعت کے تمام دلائل کے جوابات اور اہل سنت کے بے شمار جواب دلائل آپ اس میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں یہ پورا مناظرہ مجلس مناظرہ ہی میں ایک زود نویس اور مختصر نویس کی خاص کوشش سے قلمبند کر لیا گیا تھا، آپ کو اس کے مطالعہ میں مناظرہ ہی کا لطف آئے گا قیمت قسم اول ۱۲ر رعایتی ۱۰ر قسم دوم ۱۰ر رعایتی ۸ر

فتح بریلی کا دلکش نظارہ

یہ مرکز بدعت بریلی کے اس معرکہ خیز مناظرہ کی مکمل روئداد ہے جو محرم ۱۳۵۴ھ میں اہل بدعت کے مدرسہ جامعہ رضویہ میں ہوا تھا، بانی مناظرہ نے جو بریلی ہی کے باشندے تھے اہل سنت کے حق میں زبردست فیصلہ دیا جو رد بھی آخر میں درج ہے ضخامت مع ضمیمہ ۲۰۰ صفحات قیمت قسم اول ۱۲ر رعایتی ۶ر قسم دوم ۸ر رعایتی ۴ر

تحریری مناظرہ

اس میں اہل بدعت کے اکثر مشہور اختلافی مسئلوں پر مدلل بحث ہے قیمت ۲ر رعایتی ۱ر

کوائف بمبئی

یعنی الفرقان [illegible]

جس میں مولوی حشمت علی وغیرہ رضاخانی مولویوں کی نفاق انگیز شورش اور مسلمانان بمبئی کی بے اصرار استدعا پر مناظرہ کیلئے حضرت مدیر الفرقان کا سفر بمبئی اور اس کے کوائف و حالات قیمت ۲ر رعایتی ۱ر

مکتبہ الفرقان بریلی کی بعض خاص اصلاحی کتابیں

نماز اور خطبہ کی زبان

نماز و خطبہ کے عربی زبان ہی میں ہونے کے عقلی و نقلی وجوہات اور اس کی سیاسی حکمتیں اس رسالہ میں بیان کی گئی ہیں نئی روشنی کے حضرات بھی اس سے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں قیمت ۲ر رعایتی ۱ر

تمدن اسلام کا پیغام بیسویں صدی کی دنیا کے نام

یہ مولانا عبدالماجد دریابادی بی اے ایڈیٹر صدق کا مقالہ ہے جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی بزم تاریخ و تمدن اسلام کے روبرو پڑھا گیا تھا قیمت ۱ر

اشتراکیت اور مذہب و اخلاق

یہ رسالہ ایک بالغ النظر یورپین کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے جو اختصار کے باوجود اشتراکیت کی حقیقت اور اس کے نتائج سے واقف ہونے کیلئے بالکل کافی ہے قیمت کثرت اشاعت کیلئے صرف ایک آنہ رکھی گئی ہے۔

اسلام کا نظریہ سیاسی

اسلام کے سیاسی نظام پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا وہ بصیرت افروز مقالہ ہے جس میں اسلامی سیاست کے بنیادی اصول کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟

یہ بھی مولانا مودودی ہی کا ایک اہم مقالہ ہے قابل دید ہے قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

جدید تعلیم اور علماء کرام

اس بہتان کی مدلل تردید کہ علماء نے جدید تعلیم کو حرام قرار دے کر مسلمانوں کو ترقی سے روکا اور تجربات نیز خود جدید تعلیم کے تجربہ کاروں کے بیانات سے اس حقیقت کا روشن ثبوت کہ علماء نے جو پالیسی اب سے ساٹھ سال پہلے اس بارہ میں اختیار کی تھی وہی صحیح تھی۔ قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

ہدایت ربانی یعنی روئداد مناظرہ گیا

یہ اس عظیم الشان تحریری اور تقریری مناظرہ کی روئداد ہے جو حسام الحرمین کی تکفیری بحث پر ۱۳۵۵ھ ہجری میں صوبہ بہار کے مشہور شہر گیا میں تین دن مسلسل ہوا تھا عجیب و غریب تحقیقات پر حاوی ہے ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ۸ر رعایتی ۶ر

مقامع الحدید

اس رسالہ میں تحریک رضاخانیت کی تاریخ اور اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور رضاخانیوں کے ان میں اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے جو اکابر علماء دیوبند پر کیے جاتے ہیں نیز رضاخانی مذہب کا عبرت انگیز و عجیب فوٹو خود رضاخانی لٹریچر سے پیش کیا گیا ہے یقین ہے کہ آپ نے اس موضوع پر ایسی کتاب ملاحظہ نہ فرمائی ہوگی ضخامت سو صفحات۔ کاغذ اعلیٰ۔ قیمت ۶ر

جہنم کی بشارت!

"مبلغان بریلی" کی طرف سے ایک رسالہ بنام "موت کا پیغام" شائع ہوا تھا یہ اس کا مسکت اور دندان شکن جواب ہے جس میں بھی نہایت تفصیل اور تحقیق سے دکھایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو کافر بنانے والے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنے فتوے اور اپنے اصول سے خود بھی کافر ٹھہرتے ہیں بالکل لاجواب ہے قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

وہابی کی پہچان

بڑی دلچسپ اور پُر لطف کتاب ہے عرصہ سے نایاب ہو گئی تھی ابھی ابھی چھپوائی گئی ہے پڑھیے اور خوب ہنسیے اور سبق حاصل کیجیے قیمت ایک آنہ رعایتی ۳پائی

الکوکب الیمانی

اس کا روشن ثبوت کہ خاں صاحب بریلوی کے فتوے سے ان کے کسی معتقد کا نکاح بھی درست نہیں ہو سکتا قیمت ۲ر رعایتی ۱ر قسم دوم ۱ر رعایتی ۱ر

نئے مجدد کا نیا ایمان

نہایت دلچسپ اور قابل دید کتاب ہے قیمت ۱ر رعایتی ۱ر

بریلوی کا نادان دوست

مضمون نام سے ظاہر ہے قیمت رعایتی۔

(ملنے کا پتہ۔ مکتبہ الفرقان بریلی یوپی)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۵۳

شاہ ولی اللہ نمبر الفرقان بریلی کا دوسرا کتابی ایڈیشن

باضافات جدیدہ و ترمیمات مفیدہ

جس کی تیاری میں ادارۂ "الفرقان" کے علاوہ حضرت مولٰنا سندھی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولٰنا سید مناظر احسن گیلانی، مولٰنا سید ابوالاعلیٰ مودودی جیسے متعدد مشاہیر اہل علم و ممتاز ارباب تحقیق نے بھی خاص حصہ لیا ہے اور جس کو بلا مبالغہ عہد حاضر کا بے نظیر علمی شاہکار کہا جا سکتا ہے، افادیت و مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ پہلا ایڈیشن صرف پندرہ دن میں ختم ہو گیا تھا۔

ساڑھے تین سو عنوانات

جامعیت و ہمہ گیری کا اندازہ بس اس سے کیا جا سکتا ہے کہ مختلف قسم کے مذہبی و سیاسی اور علمی و تاریخی مباحث سے متعلق اس میں قریباً ساڑھے تین سو عنوانات ہیں جن کے ماتحت حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ارشادات اور طریق عمل کی روشنی میں بحث کی گئی ہے

یہاں صرف چند خاص اصولی مضامین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے

۱۔ تجدید دین کی حقیقت، مقام مجددیت کی تشریح اور مجددین کے خصائص — تاریخ اسلام کے مشہور مجددین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ، مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے تجدیدی کارناموں پر مفصل تبصرہ اور دور حاضر میں "تجدید دین" و احیاء ملت کا نقشہ اور اس کی ضرورتیں۔

۲۔ ہندوستان میں اسلام کے داخلہ سے عہد عالمگیری تک کی پوری دینی تاریخ کہ عرب کے اس مسافر پر یہاں کیا کیا گزرا

۳۔ غازی عالمگیرؒ کی وفات سے سلطنت مغلیہ کے سقوط، انگریزوں کے تسلط اور شاہ سید احمد و شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک جہاد تک کے حالات پر تبصرہ یعنی سکھ تحریک، مرہٹہ گردی، نادر شاہ درانی کی خونریزی اور احمد شاہ ابدالی کی جنگ کے اسباب و اثرات اور ان تمام سیاسی واقعات سے شاہ ولی اللہؒ کے تعلقات اور ان انقلابات کے متعلق آپ کے الہامات

۴۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی سوانح حیات ان کے آباؤ اجداد و اساتذہ و مشائخ، خاص تلامذہ اور اولاد و احفاد کے حالات اور خدمات

۵۔ شاہ صاحب کی علمی و عرفانی خصوصیات قرآن و حدیث فقہ اور تصوف سے متعلق علوم میں آپ کی تجدید اور فلسفۂ تشریع کی تاریخ تدوین

۶۔ دور حاضر کے مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل اور صحیح اسلامی انقلاب کا ولی اللہی پروگرام۔

نظمیں اور فوٹو بلاک: نیز شاہ صاحب سے متعلق بلند پایہ و معیاری نظمیں بھی اور تاریخی تحریروں کے فوٹو نیز آپ کے مزار مبارک کا نقشہ اور آخری اقامت گاہ اکبرآبادی مسجد کا فوٹو بھی آپ اس مجموعہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ ضخامت قسم عام کاغذ ... قسم خاص کاغذ ... مجلد منگوانے کی صورت میں ... علاوہ محصول ڈاک ... ساخت ...

ملنے کا پتہ:- مکتبہ الفرقان بریلی یوپی

(پرنٹر و پبلشر (مولوی) محمد منظور نعمانی نے بریلی الیکٹرک پریس بریلی میں چھپوا کر دفتر الفرقان بریلی سے شایع کیا)